پاکستان
کی
بنیادیں

پاکستان کی بنیادیں

زیرِ نگرانی،
ترتیب و تدوین ——— محمود علی

مُترجم ——— سید اشتیاق الحسن

ایم۔ اے۔ ایم ایڈ علیگ

پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۸۳ء ۲ ہزار

قیمت:

ناشر: دی کانسیپٹ پبلیکیشنز - ۱۶ - ناظم الدین روڈ
الیف ۶/۱ - اسلام آباد

طابع: غلام علی پبلشرز - ۱۰ - ہسپتال روڈ - فیروز پور روڈ
لاہور

فہرست

قائداعظم محمد علی جناح

دیباچہ

آج سے ۳۶ سال قبل مسلمانانِ برصغیر کی دیرینہ، پُرخلوص اور پیہم جدوجہد کے نتیجہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ وہ جوش اور ولولہ جو تحریکِ پاکستان کے دور میں دیکھا گیا۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حالات کی ستم ظریفی کے باعث حصولِ مقصد کے بعد وہ جذبہ جو پاکستان کے قیام میں منتج ہوا۔ آہستہ آہستہ ہماری غفلت اور کوتاہی کے باعث کم ہوتا گیا۔ حالانکہ اس کو مضبوط، مربوط اور بہتر بنانے کا عمل جاری رہنا چاہیئے تھا۔ اس جذبہ کو مستحکم بنانے اور اس کو فروغ دینے کیلیے انفرادی طور پر کچھ کاوشیں ہوتی رہیں۔ لیکن وہ نتائج حاصل نہ ہوئے جو کہ اجتماعی کوششوں سے برآمد ہوتے ہیں۔ اب اس سمت میں کافی پیش رفت ہو رہی ہے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا مقصد ہماری نوجوان نسل کو جو ہمارے مستقبل کی امین ہے اسلاف کی کاوشوں جو کہ مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اسلامی، رفاعی سلطنت کے لیے کی گیئں روشناس کروانا ہے۔ اور ملک و قوم سے محبت کے جذبہ کو

تقویت دینا ہے۔

کتاب زیرِ مطالعہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح، مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال اور دیگر عمائدین کے خطوط، تقاریر اور خطابات پر مشتمل ہے۔ جو اس زمانے کے حالات واقعات اور تحریک پاکستان پر تاریخی دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کا مطالعہ ہر پاکستانی کے لیے سود مند ہوگا۔

تدوین کار جناب پروفیسر سید اشتیاق الحسن کے تہہ دل سے ممنون ہیں جنھوں نے اس کتاب میں شامل مضامین کے تراجم کے سلسلے میں محنت شاقہ کی۔ ادارہ فلمرد پبلیکیشنز کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے تاریخی تصاویر اور دوسرا اہم مواد فراہم کیا۔ یہ ناسپاسی ہوگی کہ اگر ان دیگر صاحبان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ جنھوں نے کتاب ہذا کی تزئین و تشکیل میں معاونت فرمائی۔

محمود علی

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے اس امر کو شعوری طور پر ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے کہ نئی نسل جو آج پاکستان کی نظریاتی مملکت کے طول و عرض میں سانس لے رہی ہے اور جو اُس نسل سے قطعی مختلف ہے جس نے کہ تحریکِ پاکستان اور حصولِ پاکستان کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اسے نہ صرف تحریکِ پاکستان اور اس کے پس منظر سے روشناس کرایا جائے بلکہ اسے یہ بھی بتایا جائے کہ ایک علیحدہ اور نظریاتی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے سلسلے میں جن نظریات اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا ان میں سے ایک اہم ترین مقصد اس سماجی اور اقتصادی نظام کا عملی نفاذ بھی تھا جو کلّی طور پر اسلامی ضابطۂ حیات پر مبنی ہو۔

برصغیر پاک و ہند کی جدّوجہد کی تاریخ یا تحریکِ پاکستان کی تاریخ قرار دادِ لاہور یا قرار دادِ پاکستان ۱۹۴۰ء سے لیکر آزادیٔ پاکستان تک یا تشکیلِ مسلم لیگ یعنی ۱۹۰۶ء سے لیکر آزادیٔ مملکت ... کی تاریخ یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ تحریکِ پاکستان اور حصولِ مملکت خداداد پاکستان کی تاریخ نہایت طویل ہے۔ یہ کم و بیش گزشتہ دو صدیوں کے وسیع و عریض دامن کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

غلامی کی سیاہ تاریک راہوں میں جن عظیم محبانِ قوم و وطن نے حریت کی شمعیں اپنے خونِ جگر سے فروزاں کیں اور اس منزل کو جا لینے کے لیے جس طرح ہماری راہیں روشن و منوّر کیں وہ تاریخ کا ایک ازحد روشن اور تابناک باب ہے۔

آزادی کی شمع پر پروانے نثار ہوتے رہے۔ ٹیپو سلطان، سراج الدولہ، بہادر شاہ ظفر، سید احمد شہید، سر سیّد احمد خاں، نواب سر سلیم اللہ خان، علامہ محمد اقبال، شیرِ بنگال مولوی ابوالقاسم فضل الحق، سیّد حسین شہید سہروردی اور قائدِ اعظم محمد علی جناح —— ناموں کا یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ انگنت نام ہیں۔ لیکن جذبہ اور مقصد ایک ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ ایک کے کام کو دوسرا آگے بڑھاتا رہا اور پھر آخر کاران کی محنتیں اور قربانیاں رنگ لائیں اور اس کارواں نے اپنی گم کردہ منزل کو خونیں راستوں پر چلتے ہوئے پالیا۔

ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ عرصے تک حکومت کی۔ ہمارے اسلاف اس برِعظیم میں فاتح کی حیثیت سے آئے اور اپنی قوت بازو سے یہاں انہوں نے مضبوط اور مستحکم حکومتیں قائم کیں اور بلا شرکت غیرے اس وسیع و عریض ملک پر حکومت کرتے رہے۔

یہاں اس حقیقت کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مسلم حکمراں اپنے محکوموں کے مذہب، عقائد اور تمدّن سے کبھی تعرّض نہ کرتے تھے۔ رواداری ان کا ایمان تھا۔ اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آج آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کی شکل اس سے بالکل مختلف ہوتی جو آج ہمارے پیش نظر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہ بڑھ سکی اور ان کی اکثریت پایۂ تخت سے سینکڑوں میل دور مشرقی مغربی خطوں میں رہی۔ اس دوران بظاہر غیر مسلم بھی مسلمان حاکموں اور مسلمان عوام کے اس سلوک سے متاثر نظر آتے رہے جب

تک کہ مسلم اقتدار باقی رہا - مگر جب ہندوستان میں مسلم اقتدار کا سورج زوال پذیر ہوا تو یہ صورت حال تبدیل ہونے لگی - اس کا اوّلین مظاہرہ مرہٹوں نے کیا۔ اورنگ زیب کی وفات کے فوراً بعد مرہٹے تختِ دہلی پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھنے لگے - یہ کوئی غلط اور غیر فطری بات نہ تھی مگر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ آج بھی تاریخ کے سیاہ اوراق میں محفوظ ہے - مرہٹوں کے بعد سکھ بھی انہی راہوں پر چل نکلے اور ان دونوں نے اپنی مسلم کشی پر پردہ ڈالنے تک کی ضرورت نہ سمجھی -

یہی وہ زمانہ تھا جب انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا بھی آغاز ہوا - انگریز مسلمانوں سے بری طرح خائف تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے - انہیں تباہ و برباد کیا ہے - لہٰذا اب اگر کوئی قوم اپنا حق مانگنے کے لیے سینہ سپر ہوئی تو وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں - لہٰذا وہ مسلمانوں کو کچلنے کے لیے پوری طرح کمربستہ ہو گئے -

لارڈ کارنوالس کی دوامی بندوبست کی پالیسی نے بڑے بڑے بنگالی مسلمان زمینداروں کو زرعی مزدور بنا کر رکھ دیا - ڈھاکہ کی ململ مسلمانوں کی صنعت تھی - اس کی تباہی کا خونچکاں افسانہ آج بھی ہمیں یاد ہے -

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کا جذبۂ مسلم کشی اور بھی بے نقاب ہو گیا - دلّی کی تباہی اس کا سب سے شرمناک مظاہرہ تھا -

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد ہندوستان تاجِ برطانیہ کے زیرِ نگیں ہو گیا - اب تو انگریز حاکموں اور ہندوؤں کی مسلم دشمنی اور بھی دو آتشہ ہو گئی -

یہی وہ وقت تھا جب متعدد دردمندانِ قوم اپنی قوم کو ان مصائب و آلام سے بچانے کی فکر میں لگ گئے - خدا نے اس موقع پر اس اہم کام کے لیے سرسید احمد خان

کو منتخب فرمایا۔ سر سید نے کافی غور و خوض کے بعد طے کیا کہ موجودہ حالات میں مسلمانانِ ہند تلوار کے بجائے قلم سے اس ابتلا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مغربی طرز کی تعلیم رائج کرنے کے کام کو انہوں نے اپنا نصب العین بنا لیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ سر سید کی آواز پر تمام ملک کے مسلمانوں نے لبیک کہا۔ ہر ہر صوبے اور ہر ہر مکتبۂ فکر کے لوگ علی گڑھ میں جمع ہونے لگے اور آنے والے وقت کے تقاضوں کے لیے خود کو تیار کرنے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود سر سید بھی مغربی تعلیم کے مضر اثرات سے بے خبر نہ تھے۔ اور اس کی بازگشت ہمیں جگہ بہ جگہ اکبر الہ آبادی اور علامہ اقبال کے عارفانہ کلام میں بھی ملتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے اس وقت مسلمانانِ ہند کے مسائل کا کوئی دوسرا فوری حل بھی سامنے نہ تھا۔ چنانچہ سر سید اور ان کے رفقائے کار نے پورے خلوص اور تندہی سے اپنے اس مشن کو آگے بڑھایا۔

ہندو انگریزوں کی سرپرستی سے پوری طرح مطمئن تھے۔ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ سرکار اور دربار میں ان کا اب کوئی مدمقابل اور حریف نہیں رہا۔ مگر جب مسلمان بھی جدید علوم حاصل کر کے ان کے مقابلے پر آنے لگے تو انہیں پھر نئے سرے سے خطرات نظر آنے لگے۔ لہٰذا اب انہوں نے دوسری تدابیر اختیار کیں۔

اس مسلم کش ذہنیت کا پہلا عملی مظاہرہ اُردو زبان اور ذبیحہ گائے کے خلاف مظاہرے کی صورت میں ہوا۔ اُردو کی مقبولیت کو دیکھ کر اس دور میں انگریزوں نے بیشتر صوبوں میں اسے سرکاری زبان بنا دیا تھا جہاں تک ذبیحہ گائے کا تعلق تھا تو وہ فوجی چھاؤنیوں میں برابر کٹتی رہی۔ اس پر اس قوم نے اُف تک نہ کی۔ اُس وقت کی بات جانے دیجئے۔ آج تک گائے دلّی کے سرکاری ہوٹل اشوکا میں سرکار کی سرپرستی میں کاٹی جاتی ہے۔ مگر اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا مگر ملک میں پھر بھی

ہزاروں نہیں تو سینکڑوں فسادات گائے کے قضیے سے ہی شروع ہوتے ہیں اور یہ مسلم کش فسادات وہاں اب روزمرہ کا معمول بن کر رہ گئے ہیں۔

بہر حال اس نہ بدلنے والی صورت حال اور ہندو ذہنیت نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگانے والے سرسید تک کو یقین دلا دیا۔ اس سرسید کو جس نے ہندوستان کو ایک خوبصورت دلہن کے چہرے سے تشبیہہ دی تھی اور اس کی دو آنکھیں ہندو اور مسلمان کو بتایا تھا کہ اس ملک میں ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانان ہند کو ہندوؤں کی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ جس پر انہوں نے قوم پرستی کا لیبل چسپاں کر رکھا تھا۔

اس زمانے میں ملک کے طول و عرض میں آریہ سماج تحریک شروع ہوئی۔ اس نیم سیاسی اور مکمل طور پر مذہبی تحریک کا مقصد ہندوستان کو صحیح معنوں میں آریہ ورت، بنانا اور غیر ہندو قوموں سے اس ملک کو پوتر (پاک) بنانا تھا۔ اس تحریک کے کارکن نہایت سرگرمی سے مسلمان اور اسلام کو مٹانے میں سرگرم عمل ہو گئے۔ اس تحریک کے عزائم کا اندازہ اس کے ایک حامی شاعر (جس کا نام معلوم نہیں ہے) کے مندرجہ ذیل دو شعروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

کام شدھی کا کبھی بند نہ ہونے پائے (پاک صاف کرنا دوبارہ ہندو بنانا)

بھاگیہ سے یہ وقت قوموں کو ملا کرتے ہیں (تقدیر)

ہندوؤ تم میں ہے گر جذبہ ایماں باقی

رہ نہ جائے کوئی دنیا میں مسلماں باقی

مندرجہ ذیل عبارت سے آریہ سماج تحریک کے مقاصد کی اچھی خاصی وضاحت ہو جاتی ہے۔

" شدھی اور سنگھٹن تحریک کا مقصد ہندوستان میں ایک مضبوط، متحد اور سیاسی

طور پر بیدار جماعت کا قیام ہے۔ یہ جماعت آزاد مملکت کے قیام کے لیے برابر کوشاں رہے گی۔ ہندو قومی مملکت کی بنیاد ہندوؤں کے قومی اداروں پر مبنی ہو گی۔ یعنی سنسکرت اور ہندی زبان، ہندو تاریخ، ہندو تیوہار، ہندو مشاہیر کا احترام ہندو مقدس مقامات کی عظمت اور ہندو تہذیب کی محبت۔ ہمارے درمیان چند ایسے لوگ بھی ہیں جو بلاوجہ اس قومی تحریک میں نیم عرب اور نیم ایرانی مسلمانوں کو شریک کرنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ ہر قومی مملکت اپنے قدیمی اداروں کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ ہندوستانی مسلمان ہمارے درمیان ایک غیر ضروری اور بے مصرف عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا مستقبل صرف اور صرف یہی ہونا چاہیئے کہ وہ شدھی کے ذریعے بتدریج ہندو قومیت میں ضم ہو جائیں۔

ان زہر آلود نعروں سے ملک گیر فسادات شروع ہو گئے۔ اس مسلم کشی سے تنگ آ کر کچھ پریشان حال مسلم کانگریسی لیڈر، ہندوستان کے سب سے عظیم قومی لیڈر گاندھی جی سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ وہ فسادات کے خلاف آواز اٹھائیں۔ یہ ۱۹۲۵ء کا زمانہ تھا۔ لہٰذا گاندھی جی نے کلکتہ کے ایک عام جلسہ میں اس سلسلے میں یہ فرمایا۔

"میں آج کل اپنے آپ کو صرف یہ سوچ کر تسلی دیتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد ہونا پڑے گا۔ اگر ہم اپنے ملک کی نجات چاہتے ہیں تو یہ بہر حال ضروری ہے۔ اور اگر یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ ہم متحد ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا خون بہائیں تو میں کہوں گا کہ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔" اسی تقریر کے دوران ہندوستان کے سب سے عظیم نجات دہندہ لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہندو بزدل ہیں اور مسلمان شر پسند۔ ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی بزدلی چھوڑ دیں

اس پس منظر میں ہندو مسلم اتحاد کی ناکام کوششوں کے بعد مسلمانانِ ہند نے ڈھاکہ شہر میں اپنے حقوق کے تحفظ کی خاطر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ سر سلیم اللہ کی رہنمائی میں قائم ہونے والی اس مسلم جماعت کا مقصد ابتدا میں صرف یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

ان جاگزیں حالات میں بھی مسلمانوں نے اتحاد کا دامن نہ چھوڑا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد سے قطعی مایوس نہ ہوئے۔ اس وقت تک مسلمانوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو ملک سے نکال کر آزادی حاصل کی جائے۔ یہ مسلمان لیڈر ہندو مسلم اتحاد پر یقین رکھتے تھے اس کا مبین ثبوت یہ ہے کہ اس وقت بھی مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ انڈین نیشنل کانگریس کو ملک کی واحد نجات دہندہ جماعت مانتا تھا۔ ان مسلمانوں کی قربانیوں اور خدمات نے کانگریس کو جو استحکام بخشا اس کا یہاں اعادہ غیر ضروری ہے۔ کون نہیں جانتا کہ علی برادران، ڈاکٹر انصاری، قائدِ اعظم، مولانا حسرت موہانی، مولوی ابوالقاسم فضل الحق، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر ذاکر حسین و نیز دیگر اکابرین نے اس جماعت کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔

اس کے برخلاف ہندوؤں کی اکثریت کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔ وہ ہندوستان کو ایک ہندو مملکت بنانے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ کانگریس قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ کر ان عناصر کی تائید اور حمایت کر رہی تھی چنانچہ ان نامساعد حالات کو دیکھ کر مجبوراً قائدِ اعظم کو یہ کہنا پڑا۔

"کانگریس کی حیثیت ہندوؤں کی اس دیوی کی سی ہے جس کے کئی سر اور زبانیں ہیں اور مسلمانوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ ان کی کس زبان پر بھروسہ کریں"۔

غرض کہ کم و بیش ایک صدی کے تلخ تجربے نے مسلمانوں پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ ہندو بہترین محکوم اور بدترین حاکم ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کا خواب چاند کو چھونے

اور زہر کے پینے کا قصہ ہے۔ ہندو کی لغت میں آزادی کے معنی ہندو راج کے ہیں اور ہندو راج کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان کی بقا صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے لیے ایک علیحدہ مملکت بنائیں تاکہ ان کی تہذیب، ان کی ثقافت، ان کی قومی اور مذہبی اقدار اور ان سب کے ساتھ ساتھ ان کے اقتصادی اور معاشی حالات محفوظ رہ سکیں۔ در اصل اسی فکر کے نتیجے کو ہم تحریک پاکستان کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

جدوجہد پاکستان اور حصول پاکستان کا مقصد ایک نظریاتی مملکت کا قیام تھا۔ کسی بھی مملکت کے قیام کے پس منظر میں جہاں اس کی ثقافت، تہذیب اور مذہب کے تحفظ کے عناصر کارفرما ہوتے ہیں وہاں اس کے معاشی اور اقتصادی مسائل کا حل بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے خصوصی طور پر اپنے خطوط کے ذریعے قائد اعظم کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرائی تھی۔ لہٰذا اس کتاب میں علامہ اقبال کے وہ دونوں خطوط بھی شامل کر دیے ہیں جو انہوں نے قائد اعظم کے نام تحریر کیے تھے۔

کسی بھی قوم اور ملک کے لیے اس کا اقتصادی اور معاشی مسئلہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب اسلام جو کہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ لہٰذا اس کے چار ستونوں یعنی نماز، زکوٰۃ روزہ اور حج میں نماز اور زکوٰۃ کو قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے اور بار بار دہرایا گیا ہے۔ نماز اسلام کے روحانی پہلو اور زکوٰۃ اس کے مادی و معاشی پہلو کی علامت ہے۔ اس امر کا یہ واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں معاشی اور اقتصادی مسائل اور ان کے حل کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ یہاں اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلامی مملکت کیسے اقتصادی

نظام کی بنیاد نہ ہی سوشلزم پر ہے اور نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام پہ بلکہ ان دونوں سے کے بین بین ہے۔

عربی زبان کے لفظ "معاشرے" کے معنی سماج کے ہیں۔ لفظ معیشت اسی کا لفظ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوسائٹی کا تعلق اسلام کی نظر میں معاشی امور سے کس قدر گہرا ہے مگر ہمارے علماء نے اس اہم معاملے کو خاطر خواہ اہمیت نہ دی۔ انہوں نے خود کو بے کار اور بے معنی فلسفیانہ جنگ و جدل میں اور معمولی رسم و رواج کی باتوں الجھائے رکھا جس سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

حصول آزادی کے بعد موت نے قائد اعظم کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنا سکتے۔ لہٰذا یہاں اسی فرسودہ مغربی اقتصادی نظام کو اپنا لیا گیا۔ مغرب کے اس اقتصادی نظام نے بنی نوع انسان کے لیے ایسے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو کسی بھی طرح حل ہونے میں نہیں آتے۔ اس نظام کے باعث دنیا اس وقت جس تباہی سے دوچار ہے اس سے بچنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ نظام غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بناتا چلا جاتا ہے اور یوں معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور پھر انتشار اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

اسی طرح اشتراکیت کے تحت پیداوار کے کل وسائل کو کلی طور پر اجتماعی ملکیت بنا دینے سے اور معیشت کو مکمل طور پر حکومت کے تابع کر دینے سے وہ بھی وہ مثالی معاشرتی زندگی قائم کرنے میں قطعی طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ اسی لیے قائد اعظم نے ان دونوں نظاموں کو مسترد کر دیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ علامہ اقبال اور حضرت قائد اعظم چاہتے تھے کہ انہیں پاکستان کے نام پہ ایک خطہ زمین مل جاتے۔ جہاں وہ اسلامی معاشی و اقتصادی قوانین کو نافذ

کر کے ایک خوش حال اور فلاحی مملکت کے خواب کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اسے اس خطے میں کامیابی سے چلا کر پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی مثال پیش کر سکیں تاکہ باقیماندہ دنیا بھی اس کامیاب تجربے سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔

پاکستان کا مطلب محض آزادی و خود مختاری کا حصول ہی نہ تھا۔ بلکہ اس کا مقصد اسلامی نظریے کا تحفظ بھی تھا۔ اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں کہ پاکستان سے مراد ایک ایسی مملکت تھی جو اسلام کی ولولہ انگیزیوں کے ساتھ عام لوگوں کے لیے سماجی اور معاشی انصاف کی صحیح آئینہ دار ہو۔ اس کا مطلب واضح طور پہ یہ تھا کہ وہ نظام جو اس وقت یورپی سماجی و معاشی طرز پر رائج تھا اسے چھوڑ کر اس مملکت خداداد کے عوام کو کلی طور پر اسلامی طرزِ حیات اور معاشرتی و معاشی انصاف فراہم کیا جائے۔ قائداعظم کو اپنے اس موقف کے قابل عمل ہونے میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ وہ کسی بھی طرح فرسودہ جاگیرداری اور سامراجیت کو جو عدل و مساوات سے قطعی عاری تھی۔ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے نہایت واضح الفاظ میں یہ بات کہی تھی۔

"جمہوریت ہمارے خون میں رچی بسی ہے۔ یہ ہمارے رگ و ریشے میں پیوست ہے۔ صدیوں کے نامساعد حالات نے اس خون کو محض سرد کر دیا ہے۔ اور وہ منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے صرف آپکی شریانیں کام نہیں کر رہی ہیں" آگے چل کر اسی تقریر کے دوران وہ کہتے ہیں کہ "یہاں میں اِن زمینداروں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں جو ہماری وجہ سے ہی خوب پھل پھول رہے ہیں۔ یعنی ایک ایسے نظام کے ذریعے جو انتہائی ناقص اور غلط ہے اور جس نے انہیں اسقدر مطلبی اور مفاد پرست بنا دیا ہے کہ اب ان کے ساتھ کسی قسم کی بحث و تمحیص بھی فضول ہے۔ ان کے خون میں عوام کا استحصال رچ بس گیا ہے۔ وہ اسلام کے سبق کو بھول چکے ہیں۔ ہوس اور خود پرستی میں یہ صرف خود فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کے مفادات

کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہے ..... میں متعدد دیہاتوں میں گیا۔ وہاں ہمارے لاکھوں لوگوں کو دن میں ایک وقت کی پیٹ بھر روٹی بھی میسّر نہیں ہوتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ پاکستان کی غرض و غایت کیا یہی ہے؟ اگر پاکستان کی غرض و غایت یہی ہے تو پھر ہمیں ایسا پاکستان نہیں چاہیئے۔ اگر وہ ذی ہوش ذی شعور ہیں تو انہیں زندگی کے جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ ہی ان کی مدد کرے گا۔ ہم ان کی مدد نہیں کر سکتے۔"

قائدِاعظم کا یہ بیان بہت واضح ہے۔ اس میں انہوں نے جو اہم نکات پیش کئے ہیں وہ آپ کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں علامہ اقبال کا خطبہ صدارت جو انہوں نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۰ء الہ آباد میں دیا، علامہ اقبال کے دو خطوط جو انہوں نے اقتصادی مسائل سے متعلق قائدِاعظم کو ۱۹۳۷ء میں تحریر کیے قائدِاعظم کا خطبہ صدارت ۱۹۴۰ء اور قراردادِ پاکستان جسے قراردادِ لاہور سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، نیز مسلم لیگ کے مجلس قانون ساز کے اراکین کے اجلاس ۱۹۴۶ء کی مکمل روداد کو شامل کیا گیا ہے۔

درحقیقت جدوجہد آزادی، تحریک پاکستان اور حصول پاکستان کی زنجیر کی یہ اہم ترین کڑیاں ہیں۔

جدوجہد آزادی کی تاریخ پر اگر آپ نظر ڈالیں تو آپ کو اس امر کا بہ آسانی اور بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ چونکہ انگریزوں نے ملک اور حکومت مسلمانوں سے لیے تھے اس لیے مسلمانوں کو وہ اپنا سب سے بڑا حریف اور دشمن تصور کرتے تھے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو معاشرتی، تہذیبی اور خصوصاً اقتصادی طور پر ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کا مکمل طور پر استحصال کیا تھا۔ مسلمانوں کے اس استحصال میں ہندوان کے برابر کے شریک تھے۔ انگریز اور ہندو دونوں کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں

مسلمان مفلس اور بے نوا ہو کر رہ گیا۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے غلامی کے اس جوئے کو اتار پھینکنے کی بھرپور کوشش کی مگر اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی اس جنگ آزادی میں چونکہ مسلمانانِ ہند نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا لہٰذا مسلمانوں سے انگریزوں کی دشمنی دو آتشہ ہوگئی۔

مگر مسلمانوں میں آزادی کی یہ خواہش ختم نہ ہوئی۔ اس آزادی کی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے سلسلے میں مسلمانوں کی مختلف کوششیں اور کاوشیں جاری رہیں۔ سر سید کی علمی کوششوں نے قوم کو ایک بار پھر خواب غفلت سے جگا کر ذہنی طور پر اس قابل بنا دیا کہ وہ حصول آزادی کے لیے جدوجہد کریں مگر اس وقت یہ بات واضح انداز میں سامنے آگئی کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد برصغیر میں مسلمانوں کے لیے آزادی کا امکان نہیں تھا۔ ہندو پوری طرح تیار بیٹھا تھا کہ آزاد ملک کا اقتدار پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لے۔ لہٰذا مسلمانوں کو انگریز اور ہندو دونوں کا مقابلہ تھا تاکہ اپنے حقوق کا تحفظ ممکن ہو۔ لہٰذا مسلمانوں کی جدوجہد اس نکتہ پر پہنچ گئی جہاں انہیں ایک الگ ملک کا تصوّر پیش کرنا پڑا۔ اور یہ کام علاّمہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں واضح انداز میں کر دکھایا۔ اسی لیے وہ تصوّر پاکستان کے خالق کہلاتے ہیں ان کے اس تاریخی خطبے کو اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اسے تحریکِ پاکستان اور جدوجہد پاکستان کی تاریخ میں ایک نہایت اہم موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اسے قائم کرنے کا مقصد اسلامی نظریات کا تحفظ تھا۔ ان نظریات میں اہم ترین معاشی و اقتصادی نظریہ بھی شامل تھا۔ علاّمہ اقبال اور قائداعظم دونوں مغربی اقتصادی نظام کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ یہاں اسلامی معاشی و اقتصادی نظام رائج ہو۔ اسی امر کی نشاندہی کے پیشِ نظر علاّمہ اقبال کے دو اہم خطوط جو اس سلسلے میں انہوں نے قائداعظم کو تحریر کیے تھے

شامل کیے گئے ہیں اقتصادی اور معاشی امور کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اقتصادی و معاشی خوشحالی کی عدم موجودگی میں ایک خوش حال اور رفاہی مملکت کا تصور تک ناممکن ہے۔ اور بانیِ پاکستان اسے ایک خوش حال اور رفاہی مملکت بنانے کا عزم رکھتے تھے۔

زیرِ نظر کتاب میں حضرت قائدِ اعظم کا وہ تاریخ ساز خطبہ اور قرارداد لاہور یا قرار دادِ پاکستان ۱۹۴۰ء بھی شامل ہے۔ جدوجہد آزادی پاکستان کا یہ وہ منطقی نتیجہ اور فیصلہ ہے جو مسلسل اور لگاتار مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے نتیجے میں سامنے آتا ہے۔ مسلمانان ہند کی تاریخ میں یہ ایک نہایت اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اہم ترین موڑ ہے جب مسلمانوں کو واضح انداز میں مملکت خداداد پاکستان کا مطالبہ کرنا پڑا۔ اور جس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی جمہوریہ معرض وجود میں آئی۔

مسلم لیگ کی مجلس قانون ساز کے اراکین کے اجلاس ۱۹۴۶ء کی روداد بھی اس کتاب میں شامل کی گئی ہے۔ جدوجہد آزادی کی تاریخ کی یہ اہم ترین کڑی اس لیے پیش کی گئی ہے تاکہ اس امر کا اندازہ بہ آسانی اور بخوبی ہوسکے کہ پاکستان تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے اتحاد اور جدوجہد کی علامت اور مظہر ہے۔ برصغیر کے تمام مسلمان خواہ ان کا تعلق کسی بھی صوبے سے تھا ان کی ایک آواز اور ایک نصب العین تھا۔ یعنی ہر صورت اور ہر قیمت پر حصول پاکستان — ونیز اس تاریخی اجلاس کی روداد سے اس امر کا اندازہ بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ بانیِ پاکستان حضرت قائدِ اعظم کس حد تک جمہوری اور پارلیمانی اصولوں میں پختہ یقین رکھتے تھے آنے والے وقت میں اس ملک کو کس نظم وضبط اور جمہوری اصولوں کے تحت چلانے کی دلی آرزو رکھتے تھے۔

قائدِ اعظم کے یہی وہ بنیادی اور رہنما اصول تھے یعنی یقین۔ اتحاد اور تنظیم

——— انہی ہتھیاروں سے لیس مسلمانانِ برصغیر قائدِ اعظم کی قیادت میں پورے جوش اور عزم کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے اور نتیجتاً ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خداداد پاکستان کے حصول میں کامیاب و کامران ہوئے۔

محمود علی
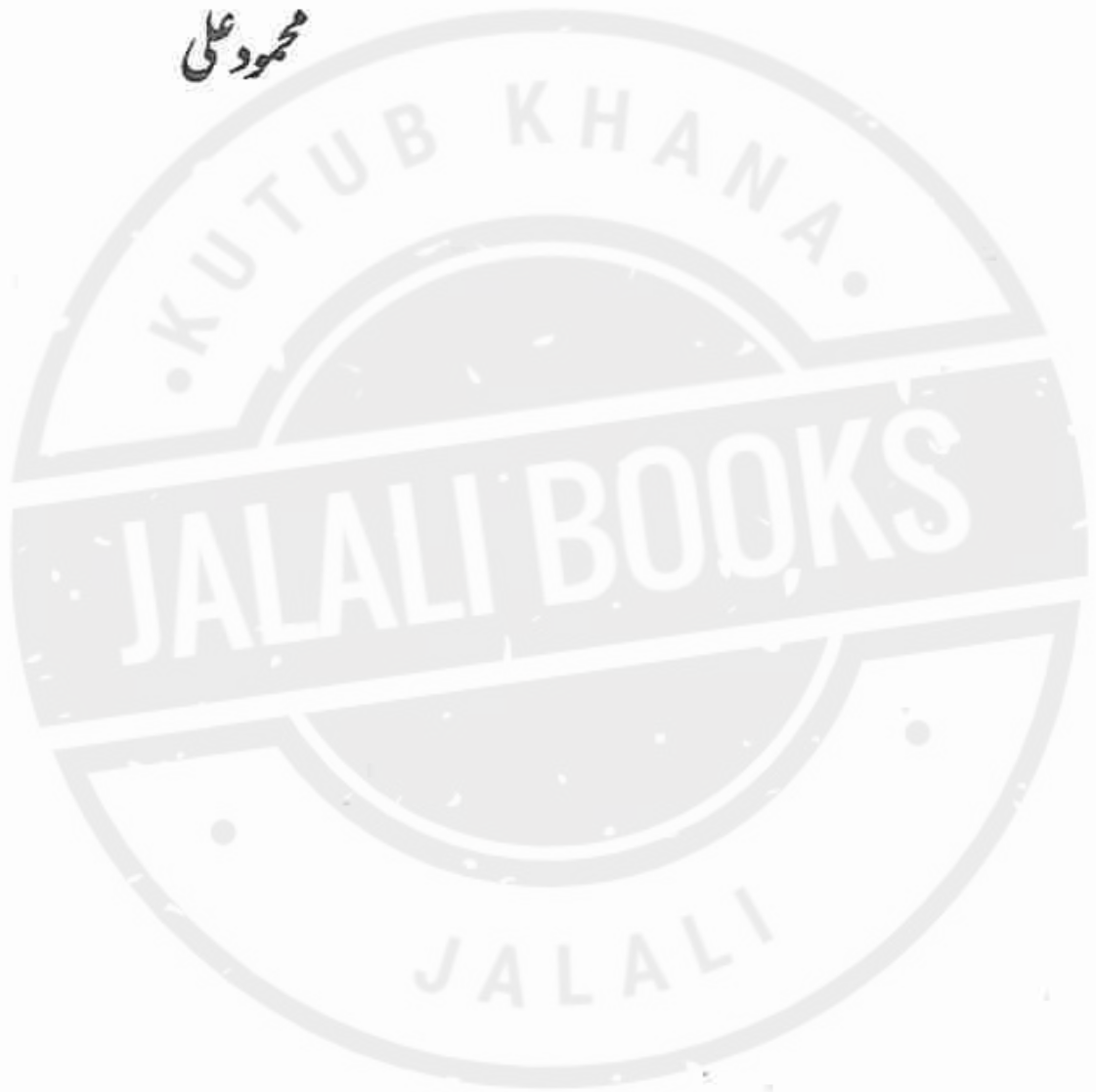
علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

علامہ اقبالؒ کا خطبہ صدارت

اجلاس مسلم لیگ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء

اس وقت جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی فکر و حیات کا انتہائی نازک مرحلہ درپیش ہے آپ نے مجھے کل ہند مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے۔ اس عزت افزائی کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں مجھے یقین ہے کہ اس وقت یہاں ایسے بہت سے مقتدر حضرات تشریف رکھتے ہیں جن کا سیاسی تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ ہے اور جن کی معاملہ فہمی کا میں خلوص دل سے قائل ہوں۔ آج یہ سب حضرات جن مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں ان کی راہنمائی کا اگر میں دعویٰ کروں تو یہ بڑی گستاخی ہوگی۔ حضرات! میں نہ تو کسی جماعت کا قائد یا راہنما ہوں اور نہ کسی جماعت کا پیرو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام، اس کے فقہ، اس کی سیاست، ثقافت، تاریخ اور اس کے ادب کا نہایت قریبی نظر سے مطالعہ کرنے میں عمر کا بیشتر حصہ

میں نے صرف کیا ہے اسلام کی تعلیمات کی روح سے میں اس طرح متواتر وابستہ رہا ہوں جیسا کہ وہ عہد بہ عہد اپنا اظہار کرتی رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس بات نے مجھ میں ایک بصیرت پیدا کر دی ہے کہ اسلام ایک عظیم عالمی حقیقت کے طور پر کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اب اس بصیرت کی قدر و قیمت اور اہمیت کیا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ مسلمانانِ ہند بہر حال روح اسلام کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں لہٰذا میں آپ کو یہ نہیں سمجھاؤں گا کہ آپ کیا کیا فیصلے کریں بلکہ میں آپ کے ضمیر و احساس میں ان بنیادی اصولوں کی روح بیدار کرنے کی کوشش کروں گا جس کی روشنی میں آپ کو یہ فیصلے کرنے چاہئیں۔

اس مقصد کے تحت یہ ناچیز کوشش حاضر ہے۔

اسلام اور قومیّت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اسلام کو ایک اخلاقی نصبُ العین تسلیم کیا جائے جس میں ایک نوع کی سیاسی زندگی بھی شامل ہے تو اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کی تاریخ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ خصوصاً اخلاقی روح اس میں جاری و کارفرما رہتی ہے۔ اسی چیز نے وہ اساسی اور بنیادی جذبات و احساسات عطا کیے جو بتدریج منتشر افراد اور گروہوں کو آپس میں مربوط اور متحد کر دیتے ہیں۔ اور آخر کار یہ ایک قوم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو الگ ممتاز اور منفرد ہوتی ہے۔ جس کے افراد میں ایک اپنا ہی شعور اخلاق ہوتا ہے۔ اس میں مبالغہ نہ سمجھئے کہ دنیا میں شاید سرزمین ہند ہی ایسی جگہ تھی جہاں اسلام نے وحدت آدم پیدا کرنے کا سب سے بہتر کردار ادا کیا ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی اسلام بحیثیت ایک معاشرے کے اسی روح ثقافت سے سرشار رہا جسے ایک خاص اخلاقی تصورِ حیات سے فیضان حاصل ہوتا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان معاشرے میں

ایک بڑی قابل لحاظ یکسانیت اور اندرونی وحدت پائی جاتی ہے اور یہ دراصل تہذیب اسلام سے وابستہ قوانین اور اداروں کا نتیجہ ہے مگر اس وقت یورپی افکارِ سیاست بڑی تیزی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان کی موجودہ نسل کے مسلمانوں پر چھائے جارہے ہیں بلکہ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہماری نوجوان نسل بیتاب نظر آتی ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی زندگی کی روح عمل بنائیں مگر وہ ناقدانہ نظر نہیں ڈالتے کہ آیا وہ کیا حالات تھے جن کے تحت ان افکار نے یورپ میں نشو ونما پائی تھی۔

یورپ میں عیسائیت کو صرف ایک خانقاہی اور رہبانی نظام سمجھا جاتا تھا جو آخر کار وسیع کلیسائی نظام کی صورت اختیار کر گیا۔ لوتھر نے جو احتجاج کیا وہ دراصل اس نظام کلیسا کے خلاف ہی تھا یعنی کسی طرز کے لادینی سیاسی نظام سے اسے کسی قسم کا تعرّض نہ تھا۔ کیونکہ اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ اس وقت مسیحیت میں کوئی نظام سیاست سرے سے موجود ہی نہ تھا اور یوں لوتھر اس نظام کے خلاف احتجاج کرنے میں بالکل حق بجانب تھا۔ گو ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ خود لوتھر کو بھی اس بات کا احساس نہ تھا کہ جن مخصوص حالات نے اس کی تحریک کا آغاز کیا تھا اس کا آخری نتیجہ یہی نکلے گا کہ حضرت عیسٰی کے عالم گیر نظام اخلاق کی بجائے مغرب میں خاص خاص اقوام سے متعلق بیشمار اخلاقی نظام وجود میں آجائیں گے اور وہ بڑے ہی تنگ دائروں میں گھرے ہوں گے روسو اور لوتھر وغیرہ نے جو ذہنی تحریک شروع کی اس نے وحدت کو توڑ پھوڑ کر غیر مربوط اور منتشر کثرت کا روپ اختیار کر لیا۔ مہذبی انسان "قوم" کی تنگنائے میں آکر گھر گیا اور اس کا مطمحِ نظر صرف "قومی" رہ گیا۔ اب اسے ایک اور زیادہ حقیقی اساس کی ضرورت لاحق ہوئی جیسے کہ وطن کا تصور، اور پھر مختلف سیاسی نظامات نے اسے جذبۂ قومیت میں گھیر لیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ سیاسی وحدت و اتفاق کا سرچشمہ حدود وطن کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب اگر آپ بات یہاں سے شروع کریں کہ مذہب کا تعلق مکمل طور

پر صرف آخرت سے ہے اور دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو پھر مسیحیت کے ساتھ یورپ
میں جو کچھ ہوا وہ قدرتی تھا۔ اب ہوا یہ ہے کہ وہاں حضرت عیسٰی کے عالم گیر نظام اخلاق
کی بجائے قومی و وطنی نظام ہائے اخلاق و سیاست پیدا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اہل مغرب اسی
نتیجے پر پہنچ سکتے تھے کہ دین و مذہب کا معاملہ انسان کا اپنا ایک ذاتی معاملہ ہے اور اس
کا معاملات دنیا سے کوئی تعلق نہیں مگر اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، روح اور مادّہ
کلیسا اور ریاست ایک ہی کُل کے جُز و ہیں اور ایک دوسرے سے پیوست۔ اسلام یہ
یہ نہیں کہتا کہ انسان آلائشوں سے لبریز اور ناپاک دنیا کا کوئی باشندہ ہے اور وہ کسی
دوسری دنیا کی خاطر اسے ترک کر دے۔ جہاں روح رہتی ہے۔ اسلام کے نزدیک
مادّہ روح کا وہ روپ ہے جو قید مکان و زماں میں گھرا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روح
اور مادے کی ثنویت کا تصوّر اہلِ مغرب نے بغیر کسی اختلاف کے ماضی سے لیا ہے
اوّلاً جو غلطی ہو گئی وہ ہو گئی اب اس عقیدے کے بہترین مفکر بھی اس کی خرابی کو ماننے لگے
ہیں مگر ان کے سیاست داں ابھی تک اس پر مصر ہیں کہ ساری دنیا اس کو ایک ناقابلِ
تردید حقیقت کے طور پر تسلیم کر لے۔ دین اور دنیا کا یہ فرق، روحانی اور دنیاوی زندگی
کا یہ غلط امتیاز ہی دراصل اس بات کی وجہ ہے کہ مغرب کے سیاسی اور مذہبی افکار متاثر
ہوئے اور یورپ کی عیسائی ریاستوں کی زندگی سے دین عیسوی تقریباً خارج ہو گیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی ریاستیں وجود میں آگئیں جو منتشر، متفرق اور بے ربط ہیں اور ان پر
جذبہ انسانیت حاوی نہیں بلکہ قومی اغراض و مقاصد کا تسلط ہے۔

آج یہی سلطنتیں ہیں جو ایک وفاق یا اتحاد یورپ کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ حالانکہ
خود انہوں نے مسیحیت کے اخلاقی و مذہبی عقائد کو پیروں تلے روندا تھا۔ یعنی نظام کلیسائے
عیسوی نے انہیں جو اتحاد ابتدا سے ہی دیا تھا۔ اسے حضرت مسیح کے عالم گیر تصورِ اخوّت
انسانی کے تحت مرتب کرنے اور مضبوط بنانے کے بجائے انہوں نے لوتھر کے زیر اثر

آکر اسے بھی تباہ کر دیا۔ بہر حال دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ اس میں کوئی نظام کلیسا ہے ہی نہیں جیسا کہ قرونِ وسطیٰ میں مسیحی دنیا میں موجود تھا اور جسے تباہ کر دینے والے کی ضرورت بھی پیش آئے۔ دنیائے اسلام کے پاس ایک ایسا نظام سیاست ہے جس کا سرچشمہ وحی اور تنزیل ہے اگرچہ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے اہلِ فقہ دورِ حاضر کے تقاضوں سے بیگانہ ہیں اور ان کا عصری زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا حالانکہ اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اس وقت کے تقاضوں کے مطابق ان قوانین کو تازہ تربیت اور استحکام بخشا جائے۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ملت اسلامیہ میں تصوّرِ قومیت کا کیا انجام ہوگا۔ یعنی یہ کہ اسلام اس تصوّر کو اپنے میں جذب کر کے اسے ایسی تبدیلی عطا کر دے گا۔ جیسا کہ اس سے قبل اس نے اس سے بالکل مختلف تصوّرات کی ترکیب و نوعیت کو یکسر بدل دیا تھا۔ کچھ دن ہوئے لائیڈن (ہالینڈ) کے پروفیسر ونیشاک نے مجھے ایک خط تحریر کیا تھا۔ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس وقت ایک ایسے نازک دور سے گزر رہا ہے جس سے مسیحیت ایک صدی سے زائد عرصے سے گزر رہی ہے۔ اصل مشکل یہاں پیش آتی ہے کہ جب بہت سے فرسودہ تصوّرات کو خیرباد کہنا پڑے گا تو مذہب کی بنیادوں کو کس طرح بچایا جائے گا اور مسیحیت کے لیے اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ وہ میں بمشکل ہی بتا سکتا ہوں اور اسلام کے معاملے میں تو اس سے بھی کم۔" اس وقت کے مسلمانوں میں قوم و وطن کے تصوّر نے نسل و خون کے امتیاز کو ہوا دے رکھی ہے اور اس طرح عملاً یہ بات اسلام کے انسانیت نواز مقصد کو متاثر کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نسلی احساسات ایسے معیاروں کو پرورش کریں جو اسلام کی روح و مقصد سے مختلف ہی نہیں بلکہ مکمل طور پر متضاد ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ حضرات ایک خالص علمی بحث کے چھیڑنے پر مجھے معاف فرمائیں گے لیکن آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرنے کے لیے آج

جس کا انتخاب کیا ہے وہ اسلام کے ایک فعال اور زندہ قوت ہونے کی طرف سے قطعی مایوس نہیں ہے یہ قوت انسان کو جغرافیائی حدود کے نصب العین سے نجات دلا سکتی ہے اور اس کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مذہب ہی ایسی قوت ہے جو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں زبردست اہمیت کی حامل ہے اسے اس بات پر بھی یقین کامل ہے کہ اسلام خود ایک تقدیر محکم ہے جو کسی اور تقدیر سے کبھی زک نہ اٹھائے گا۔ جس شخص کے عقائد یہ ہوں وہ مسائل حاضرہ کو پھر اپنے ہی نقطۂ نظر سے دیکھے گا۔

آپ یہ بھی نہ سمجھئے کہ میں نے جس مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ محض نظری مسئلہ ہے۔ یہ تو ایک زندہ اور عملی سوال ہے جو اسلام کے تانے بانے پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ وہ نام ہے ایک طرز زیست اور مسلک کا اور اس کے حل پر ہی یہ بات منحصر ہے کہ مستقبل میں آپ کا ثقافتی وجود کیا حیثیت اختیار کرتا ہے۔ آج ہمیں جو سخت مراحل درپیش ہیں۔ ہماری تاریخ میں ایسے مراحل کبھی پیش نہ آئے تھے۔

ہر قوم کو یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے معاشرتی ڈھانچے کے اصولوں میں ترمیم کرے، نئی تاویل پیش کرے یا یکسر اسے رد ہی کر دے۔ مگر ایسا نیا تجربہ کرنے سے قبل یہ دیکھنا بھی بڑا ضروری ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ میں اس غلط فہمی کو بھی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ یہ نہیں ہے کہ جو لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں، ان سے کوئی مناقشہ کروں۔ حضرات! یہ اجتماع مسلمانوں کا ہے اور مجھے پختہ یقین ہے کہ آپ سچے دل سے اسلام کی تعلیمات و نظریات پر قائم رہنے کے خواہاں ہیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ موجودہ صورت حال کے بارے میں اپنے خیالات جنہیں میں درست اور مناسب سمجھتا ہوں انہیں جوں کہ توں آپ کے سامنے پیش کر دوں تاکہ اپنی بصیرت کے مطابق آپ کی سیاسی راہوں کو کسی قدر روشنی مہیا کر سکوں۔

تو پھر اصل مسئلہ کیا ہے اور اس کے مضمرات کیا ہیں؟ کیا دین و مذہب فرد کا

ذاتی معاملہ ہوتا ہے ؟ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے کیا آپ دنیائے اسلام میں اپنے دین کا بھی وہی حشر دیکھنا چاہتے ہیں جو یورپ میں مسیحیت کا ہوا ہے ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تصور حیات کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست میں قومی نظامات سیاست کو اختیار کر لیں جن میں دینی رجحان اور مسلک کو کسی قسم کا کردار ادا کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوتی ؟ یہاں ہندوستان میں یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یہ تصور کہ مذہب انسان کا ذاتی تجربہ ہے کسی یورپین کی زبان سے سنا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یورپ کا اصول تصور ہی یہ تھا کہ وہ ایک مشرب رہبانیت ہے۔ جس نے اس دنیائے آب و گل اور اس مادی دنیا سے منہ موڑ کر اپنی ساری توجہ عالم روحانیت کی طرف منعطف کر رکھی ہے اور اس قسم کے عقیدے سے لازماً یہی نتیجہ بھی مرتب ہو سکتا تھا جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واردات مذہب جو قرآن سے ظاہر ہوتے ہیں اس سے قطعاً مختلف ہیں یہ ایسے واردات نہیں ہیں جو محض حیاتیاتی ہوں اور صاحب واردات کے اندرون ذات سے خاص ہوں اور اس کے معاشرتی گردوپیش پر کوئی اثر ہی نہ ڈالتے ہوں یہ انفرادی واردات تو ضرور ہیں مگر اجتماعی نظامات کو بھی تخلیق کرتے ہیں اور ان کا اوّلین نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے نظام سیاست کی اساس تیار ہو جاتی ہے جس میں قانونی تصورات بھی مضمر ہوتے ہیں اور ان کی اہمیت محض اس لیے نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ان کی بنیاد وحی والہام پر ہے۔ لہٰذا اسلام کا نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اس کا پیدا کردہ ہے، الگ نہیں ہے اور حیاتیاتی طور پر اس سے پیوست ہے اگر آپ ایک چیز کو ترک کریں گے تو دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست کی طرف

مائل ہو گا۔ جو اسلام کے اصولِ وحدت کی نفی کرتا ہو اور اس کی بنیاد کسی وطنی یا قومی اصول پر ہو۔ لہٰذا یہ اصل مسئلہ ہے جو اس وقت مسلمانانِ ہند کے سامنے ہے۔ رینان (مشہور فرانسیسی دانشور) کہتا ہے "انسان نہ نسل کی قید گوارا کرتا ہے نہ مذہب کی، نہ دریاؤں کے رخ اس کی راہ متعین کرتے ہیں نہ پہاڑوں کی سمتیں۔ بلکہ اگر لوگ صحیح الدماغ ہوں اور دلوں میں سوزِ دروں ہو تو ایسے انبوہِ کثیر میں ہی وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے جسے ہم لفظ قوم سے تعبیر کرتے ہیں"۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس قسم کی اجتماعی تربیت ضرور ممکن ہے مگر اس کے لیے بڑی طویل اور صبر آزما کاوش کی ضرورت ہے گویا انسان کو از سرِ نو ایک نئے ڈھانچے میں ڈھالنا اور اس کے جذبات و احساسات کی دنیا کو یکسر بدل دینا ہے۔ شاید یہ اس وقت تو ہندوستان میں ممکن ہوتا جب عوام کا ذہن مزاجِ کبیر کی تعلیمات اور اکبر کے "دینِ الٰہی" کو قبول کر لیتا اور ہندوستان میں ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی مگر تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور ذاتوں میں یہ رجحان ہی موجود نہیں کہ وہ کبھی اپنی انفرادی حیثیتوں کو ختم کر کے ایک بڑے کل میں صورت پذیر ہونا قبول کر لیں۔ ہر گروہ اپنے اجتماعی وجود کو اپنی اسی حالت میں قائم رکھنے پر مصر و مضطرب ہے۔ لہٰذا اس قسم کا اخلاقی شعور جو مثلاً رینان کے نزدیک کسی قوم کی تخلیق کے لیے ناگزیر ہے ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے جس کے لیے ہندوستان کا کوئی بھی فرد تیار نہیں۔ لہٰذا ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت نفیِ اتحاد میں نہیں بلکہ بہتوں کے تعاون، اشتراک اور ہم آہنگی میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر صحیح تدبر حقائق سے نظر نہیں بچا سکتا۔ ہر چند کہ وہ کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں۔ پس راہِ عمل یہی ہے کہ ہم کسی ایسی چیز کا وجود تسلیم نہ کریں۔ جو موجود ہی نہیں بلکہ ایشیا کی قسمت کا مدار اسی پر کہ ہم قومیتِ ہند کا رشتہ اس پر استوار کریں اور یہی راہ نکالیں اصل میں ہندوستان ایک چھوٹا سا ایشیا ہے اس کے کچھ لوگوں کا ثقافتی تعلق مشرق کی طرف بسنے والوں کے ساتھ ہے

اور بعض کا مشرق وسطیٰ و مغربی ایشیا کے ساتھ لگا کھاتا ہے۔ پس اگر ہندوستان میں کوئی موئثر راہ اتحاد نکل آتی ہے تو اس قدیم سرزمین میں امن و امان اور باہمی خیرسگالی کی فضا پیدا کر سکتی ہے جو عرصے سے مصائب اور مشکلات کا شکار ہے۔ لوگوں کو اپنی کسی خلقی عدم صلاحیت کی وجہ سے اتنی فکر نہیں ہے جتنی کہ اپنے محل تاریخی کے باعث ہے اور پھر اس طرح پورے ایشیا کا سیاسی مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

مگر یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ اس قسم کی اندرونی یگانگت پیدا کرنے کی جتنی بھی کوششیں ہوتی رہی ہیں اب تک ناکام ہی ہوتی رہی ہیں۔ یہ ناکام کیوں رہیں؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہم ایک دوسرے کی نیت کی طرف سے مشتبہ ہیں اور اندر ہی اندر ایک دوسرے پر غلبہ و اقتدار کے خواہاں ہیں۔ اعلیٰ تر باہمی تعاون کے لیے ہمیں ان اجارہ داریوں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ جو حالات نے ہمارے ہاتھوں میں پہنچا دی ہیں۔ مگر شاید ہم اس بات کے لیے تیار نہیں ہیں اور ہم اپنی انانیت پر قومیت کا لبادہ ڈال کر اسے چھپاتے ہیں۔ دکھاوے کے لیے بڑی فراخ دلی سے حب وطن کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر اندر ہی اندر بڑے تنگ نظر ہیں ایسے جیسے کوئی بھی فرقہ و قبیلہ پرست ہو سکتا ہے اور شاید ہم اس کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ حق و اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی ثقافتی روایات کے مطابق آزادانہ طور پر پھولتے پھلتے رہیں۔ بہرطور ہماری ناکامی کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، میں اب بھی پر امید ہوں۔ واقعات اس طرف مائل ہیں کہ کسی وضع کی اندرونی یگانگت پیدا ہو جائے گی اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، میں بلا تردد یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لیے اگر یہ بنیادی اصول تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان ہی کی سرزمین پر اپنی ثقافت و روایات کے تحت آزادانہ نشوونما کا پورا حق حاصل رہے گا۔ تو پھر وہ آزادی ہند کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ یہ حق زیست کوئی ایسی

چیز نہیں جسے فرقہ وارانہ ذہنیت کہا جا سکے کیونکہ فرقہ واریت اور فرقہ واریت میں بھی تو فرق ہو سکتا ہے اور ہے۔ جو قوم اپنے دل میں دوسری قوموں کے خلاف بغض و عناد رکھے اس کے برابر کوئی پست اور بری قوم نہیں ہو سکتی۔ میں خود دوسرے فرقوں کی تاریخ، روایات، قانون اور سماجی اداروں کا احترام کرتا ہوں بلکہ میرا فرض ہے کہ قرآنی تعلیم کے عین مطابق وقتِ ضرورت ان عبادت گاہوں کی بھی حفاظت کروں مگر وہ انسانی میرے افعال و اطوار زیست کا سرچشمہ ہے مجھے اس سے بھی محبت ہے کیونکہ اسی نے مجھے وہ دین دیا اور اپنی حکمت و ادب و تمدن و فیضان روحی عطا کیا جس سے میرا یہ وجود عبادت ہے اسی کی برکت سے میرا ماضی مجھے حیاتِ نو کے ساتھ حاصل ہوا اور مجھ میں یہ احساس پیدا کیا کہ وہ اب بھی میرے شعور ذات میں سرگرم عمل ہے

فرقہ واریت کی اس اعلیٰ تر قدر کا اعتراف تو خود نہرو رپورٹ کے مصنفوں کو کرنا پڑا۔ علیحدگی سندھ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے" یہ کہنا کہ قومیت کے وسیع تر نقطۂ نظر کے سامنے کسی فرقہ وارانہ صوبے کے قیام کی بات کرنا ناموزوں ہے بلکہ ایسی ہی بات کہنی ہے کہ بین الاقوامی اعلیٰ تر مقاصد کے پیش نظر کسی بھی قوم کا وجود نہیں ہونا چاہیے' ان دونوں ہی باتوں میں صداقت موجود ہے۔ مگر بین الاقوامیت کے زبردست سے زبردست حامی کو بھی یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ مکمل قومی خود اختیاری کے بغیر انتہائی غیر معمولی اور مشکل بات ہوگی کہ کوئی بین الاقوامی ریاست وجود میں لائی جا سکے۔ اسی طرح مکمل ثقافتی خود اختیاری کے بغیر یہ بڑا مشکل ہوگا کہ ایک مربوط و ہم آہنگ قوم پیدا کی جا سکے۔ کیونکہ فرقہ واریت اپنی ارفع تر صورت میں ثقافت ہی تو ہے۔

ہندوستان میں ایک اسلامی ہند

بس ثابت ہوا کہ ارفع تر صورت میں فرقہ واریت ہندوستان جیسے ملک میں

ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ ہندوستانی معاشرے کے مختلف اجزا اس طرح علاقائی حلقوں میں منقسم نہیں ہیں جس طرح یورپ کے ممالک ہیں۔ ہندوستان تو ایک براعظم ہے جس میں انسانوں کے مختلف گروپ بسے ہوئے ہیں اور ان کا تعلق مختلف انسانی نسلوں سے ہے۔ جدا جدا زبانیں بولتے ہیں اور الگ الگ مذاہب کے پیرو ہیں ان کا شعوری احساس بالکل نہیں جیسے ایک قوم وملت کا ہوتا ہے خود ہندوؤں میں بھی ہموار قومی یکسانیت موجود نہیں۔ یورپ کے اصول جمہوریت کو ہندوستان میں اس وقت تک کام میں نہیں لا یا جا سکتا جب تک کہ فرقہ وارانہ گروہوں کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلمان ہندوستان ہونا چاہیے۔ میری رائے میں دہلی کی کل جماعتی مسلم کانفرنس کی قرارداد اسی بلند نصب العین اور اتحاد کا اظہار کرتی ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ مختلف انفرادیتوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جائے۔ انہیں یہ سہولت فراہم کی جائے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو نشوونما دیں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبوں کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں، پوری قوت کے ساتھ تائید کرے گا۔ بلکہ ذاتی طور پر میں اس قرارداد سے بھی کچھ قدم آگے ایک تجویز پیش کروں گا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک مجموعی ریاست بنا دیا جائے خواہ سلطنت برطانیہ کے اندر یا باہر، اور مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کو آخرکار ایک ہندوستانی مسلم ریاست بنانی پڑے گی اور یہی ان کی تقدیر ہے۔ ایسی تجویز نہرو کمیٹی کے سامنے بھی رکھی گئی تھی۔ مگر اسے یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ تو بڑی لمبی چوڑی ریاست ہو جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں تک رقبے کی بات ہے وہ بہت پھیلی ہوئی ریاست ہوگی مگر جہاں تک آبادی کا تعلق ہے ایسی مجوزہ ریاست تو بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی بہت کم ہوگی۔ ادھر اگر ضلع انبالہ اور شاید دوسرے ایسے اضلاع کو الگ کر دیا جائے

جہاں غیر مسلموں کی آبادی غالب ہے تو یہ وسعت اور بھی گھٹ جاتی ہے۔ اس طرح آبادی کا مسلم عنصر زیادہ رہتا ہے اور مجوزہ مجموعی ریاست اپنے رقبے میں بسے ہوئے غیر مسلموں کو اور زیادہ مؤثر تحفظ عطا کر سکتی ہے۔ اس تجویز پر نہ انگریزوں کو بھڑکنا چاہیئے اور نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اب اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی روح اس کی ثقافتی قوت کی شکل میں زندہ رہے تو پھر اسے ایک مخصوص علاقے میں مرتکز کرنے کی ضرورت لازمی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے اس سب سے زیادہ قوی و زندہ حصے نے ہی حکومت برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود، فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کی حکومت کو یہاں ممکن بنایا اور یہی حل بالآخر ہندوستان اور ایشیا کے مسئلے کا حل ہے اس چیز سے مسلمانوں میں احساس ذمہ داری بڑھ جائے گا اور ان کے احساس وطن کو بھی زبردست تقویت پہنچے گی۔ وہ ہندوستان کے بہترین رکھوالے اور محافظ ثابت ہوں گے خواہ یہ یورش خیالات و عقائد کی ہو یا سنگینوں کی۔ پنجاب میں مسلمان چھپن فی صد ہیں لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ہم چوّن فی صد لڑنے والے مہیا کرتے ہیں اور اگر آزاد ریاست نیپال سے بھرتی کیے جانے والے انیس ہزار گورکھوں کو الگ کر کے دیکھیں تو پھر پوری افواج ہند میں پنجاب کی پلٹنوں کا تناسب باسٹھ فیصد تک پہنچ جاتا ہے اور اس فیصد تناسب میں ان لڑنے والوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جن کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے اور ہندوستانی فوج شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی قوت سے کتنی زبردست صلاحیت رکھتی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ مل کر خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو وہ ہندوستان کی حکومت پر دباؤ ڈال سکیں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس خیال سے انہوں نے جس چیز کو نسبت

دی ہے وہ قطعی نہیں ہے۔ یہ تو دراصل آزاد ترقی و نشوونما کے جذبے سے ابھری ہے اور جو ایسے مرکزی نظام مملکت میں ممکن نہیں ہو سکتی جس پر ہندو فرقہ پرست اہل سیاست پر چھا جانا اور دوسری ملتوں پر ہمیشہ غلبہ رکھنا چاہتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہندوؤں میں یہ خدشہ بھی پیدا نہیں ہونا چاہیئے کہ اس نوع کی ریاستوں میں مذہبی قسم کی حکومتوں کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مذہب اسلام کا مفہوم کیا ہے۔ نفس حقیقت یہ ہے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں ہے یہ تو ایک ایسی ریاست ہے جو تصوّر اجتماعیت سے ہویدا ہوتی ہے اور اس کا خیال تو روسو سے بھی کہیں پہلے وجود میں آچکا تھا یعنی اس نے تو عمرانی معاہدے کی بات سوچی بھی نہ تھی کہ یہ ریاستی ہیئت پیدا ہو چکی تھی اسلامی ریاست کا انحصار اخلاق کے تارو پود پر استوار ہوتا ہے۔ جو انسان کو انسان مانتا ہے نہ کہ ایک مخلوق، جو زمین سے نکل پڑی ہو مثل شجر و حجر اور اس زمین یا اس زمین کے قطعے سے اسے نسبت دی جاتی ہو بلکہ وہ تو انسان کو ایک روحانی ہستی گردانتا ہے جو ایک اجتماعی ہیئت میں ایک فعال عنصر کی شکل میں فرائض اور حقوق دونوں کا حامل ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ "ٹائمز آف انڈیا" کے اس اداریے سے بھی کیا جا سکتا ہے جو اس نے ہندوستانی بینکاری کی تحقیقاتی کمیٹی پر کچھ عرصہ ہوا لکھا تھا۔

" قدیم ہندوستان میں ریاست کا یہ کام بھی تھا کہ وہ سود وصول کرنے کی شرح طے کرے مگر اسلام نے روپے پر سود لینے کو قطعی حرام قرار دیا مگر مسلمانوں کے زمانے میں کسی اسلامی ملک میں شرح سود پر کوئی حد نافذ نہیں کی گئی۔ اس لیے میں ہندوستان اور اسلام دونوں کے مفاد میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ایک مربوط ریاست قائم کی جائے۔ ہندوستان کے حق میں اس کا مطلب ہوگا، امن و امان اور عافیت و حفاظت جو اندرونی توازن قوت سے خود بخود پیدا ہوگا، اور اسلام

کو بھی یہ موقع میسرآئے گا کہ عربی شہنشاہیت نے اس پر جو چھاپ مجبوراً لگائی تھی اس سے بھی دامن چھڑالے۔ اور اپنے فقہ، تعلیم اور ثقافت کو اس طریقے سے حرکت میں لائے جو اسے اپنی اصل روح سے پھر قریب تر کر دے اور عہد حاضر کی روح بھی اس میں کارفرما ہو۔

وفاقی ریاستیں

بس یہ بات واضح ہے کہ سرزمین ہندوستان میں آب وہوا، نسل، زبان، دین دھرم اور سماجی رسوم وغیرہ کے لاتعداد فرق ہیں اس لیے ایک مستحکم آئینی ڈھانچے کی تخلیق کے لیے یہی راستہ مناسب ہے کہ زبان، نسل تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کی یکسانیت کے اعتبار سے خودمختار ریاستیں وجود میں آجائیں۔ سائمن رپورٹ میں بھی وفاق کا جو تصور قائم کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ مرکزی مقننہ کا انتخاب عوام کی رائے سے نہیں ہو بلکہ وہ وفاقی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو اور میں نے جو خطوط تجویز کیے ہیں ان کی بنیاد پر وہ علاقوں کی ازسرنو تقسیم بھی چاہتی ہے۔ سائمن رپورٹ نے ان دونوں باتوں کی سفارش کی ہے میں ان دونوں تجاویز کی تہ دل سے تائید کرتا ہوں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ نئی تقسیم دو اصولوں پر مبنی ہونی چاہیئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تقسیم نئے آئین کے نفاذ سے قبل ہونی چاہیئے دوسرے یہ کہ وہ اس طرح وضع ہونی چاہیئے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کا مستقل حل نکل آئے۔ یوں ہندوستان کے آئینی جھگڑے میں سے مشترک وجداگانہ انتخاب کا معاملہ خود بخود طے ہو جائے گا بشرطیکہ تقسیم مناسب ڈھنگ سے کی جائے۔ اس قضیئے کا بڑا سبب ہی یہ ہے کہ صوبوں کی بناوٹ درست نہیں ہے ہندو کہتا ہے کہ جداگانہ انتخاب سچی قوم پرستی کی روح کے بالکل خلاف ہے کیونکہ وہ قوم کے

معنی یہ سمجھتا ہے کہ ایک ایسا عمومی خلط ملط نظام ہو جس میں کسی بھی فرقے کا اپنا انفرادی وجود ہی باقی نہ رہے مگر اس نوع کے حالات موجود ہی نہیں ہیں اور نہ یہ کوئی اچھی بات ہے کہ ایسا ہی ہو۔ ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جو نسلوں اور مذہبوں کے تنوع کی سرزمین ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ مسلمان اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں۔ وہ بری طرح قرض میں بندھے ہوئے ہیں، خاص کر پنجاب میں پھر بعض موجودہ صوبوں میں انہیں جو اکثریت حاصل بھی ہے تو وہ بالکل ناکافی ہے۔ آپ میری بات کو سمجھ رہے ہوں گے کہ جب ہم جداگانہ انتخاب پر زور دیتے ہیں تو اس کی وجوہ کیا ہیں۔ ایسے ملک میں اور ایسے حالات میں علاقائی حلقہ ہائے انتخاب تمام مفادات کو مناسب نمائندگی عطا نہیں کر سکتے اور قدرتاً وہ ایک ہی طبقے کے غلبۂ اقتدار کو پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو مخلوط انتخاب پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر صوبوں کی از سر نو تقسیم اس طرح کی جائے کہ ہر صوبے میں تقریباً ایک ہی ملت کے، ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان و تہذیب و مذہب والے پائے جائیں۔

سائمن رپورٹ

مگر جہاں تک مرکزی وفاقی ریاست کی طاقت و اختیار کا تعلق ہے اور اس کے لیے جو آئین تجویز کیے گئے ہیں ان کے محرکات میں بڑا باریک فرق ہے خواہ وہ ہندوستان کے ہندو پنڈتوں کا خیال ہو یا انگریز پنڈتوں کا ہندوستان کے پنڈت یہ نہیں چاہتے کہ مرکزی حکومت کے موجودہ اقتدار کو ذرا بھی چھوا جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ مرکزی مقننہ مکمل طور پر مرکزی اقتدار کے سامنے جواب دہ ہو اور وہ جوں کی توں رہے اور جب نامزدگیوں کا طریقہ ختم ہو جائے گا تو ان کی موجودہ اکثریت میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جائے گا ادھر انگریز پنڈتوں کا محرک دوسرا ہی ہے یہ محسوس کرتے ہوئے

کہ اگر مرکز میں اصول جمہوریت کا اطلاق ہوگیا تو وہ ان کے مفاد کے خلاف جائے گا کیونکہ مزید اختیارات ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے جمہوریت کا تجربہ مرکز سے ہٹا کر صوبوں کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے وفاق کے اصول پر عمل کرنے کی تجویز ضرور کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض تجاویز پیش کر کے اسے شروع کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس بات کو جس خیال سے دیکھا ہے وہ مسلمانان ہند کے پیش نظر خیال سے قطعی مختلف ہے مسلمانوں نے وفاق کا مطالبہ صرف اس لیے کیا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کا حل پیدا ہو جائے اور یہی اس کی صورت ہے۔ مگر شاہی کمیشن کے ارکان کے ذہن میں وفاق کا جو تصور ہے وہ اصولاً خواہ کتنا ہی ٹھیک اور محکم کیوں نہ ہو، کسی وفاقی ریاست میں خود اختیاری حکومت قائم نہیں کرتا۔ ان کی غرض صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کے چلن کے باعث جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے وہ اس سے کسی نہ کسی طرح فرار و پناہ کی راہ ڈھونڈ رہے ہیں اور اس طرح فرقہ وارانہ مسئلے کو لائق توجہ سمجھتے ہی نہیں بلکہ اسے اپنے حال پر یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

پس صاف ظاہر ہے کہ اصل وفاق جیسا اصولاً ہونا چاہیئے اس کی سائمن رپورٹ عملاً نفی کر دیتی ہے۔ ادھر نہرو رپورٹ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مرکزی مقننہ میں ہندوؤں کی اکثریت رہے گی۔ واحدانی نظام مملکت کی سفارش کی ہے۔ اس میں انگریزوں کا تسلط ایک غیر حقیقی وفاق کے لفظی نقاب کے پیچھے رہ کر پھر بھی موجود رہتا ہے اور یہ کچھ یوں بھی ہے کہ فرقہ وارانہ سمجھوتے کی عدم موجودگی کا حیلہ پیش کرتے ہوئے وہ اس طاقت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا عذر پیش کرتے رہیں گے۔ میری رائے میں ایک خود مختار ہندوستان میں وحدانی طرز حکومت کی بات سوچنے کے قابل بھی نہیں ہے جنہیں باقی ماندہ اختیارات کہا جاتا ہے وہ کاملاً خود اختیار ریاستوں کو مل جانے

چاہیئں اور مرکزی مقننہ کے پاس صرف وہی چند مخصوص اختیارات رہنے چاہیئں جو تمام وفاقی نمائندوں نے آزادرائے سے اسے تفویض کر رکھے ہیں۔ میں ہندوستان کے مسلمانوں کو کبھی یہ رائے نہیں دوں گا کہ وہ کسی ایسی طرز حکومت پر راضی ہوں۔ خواہ وہ انگریزوں کی اسکیم ہو یا ہندوستانیوں کی، جو اصول وفاق کی روح سے عاری ہو اور اس کی نفی کرتی ہو یا انہیں ایک جداگانہ سیاسی وحدت کے طور پر تسلیم نہ کرتی ہو۔

ہندوؤں کی چالیں

مرکزی حکومت میں آئینی تبدیلی کی [illegible] دیکھ لی گئی تھی کہ انگریزوں نے ایسی تبدیلی کرنے کے لیے کوئی موثر وسیلہ دریافت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اچھی خاصی تاخیر سے یک دم اعلان کیا گیا کہ دیسی والیان ریاست کو بھی گول میز کانفرنس میں شریک کرنا بڑا ضروری ہے۔ ہندوستانیوں کے لیے یہ بات بڑی چونکا دینے والی تھی۔ خصوصاً اقلیتوں کے لیے۔ وہ حیران تھے کہ گول میز کانفرنس میں والیان ریاست یک دم نہایت ڈرامائی انداز میں اس بات کے لیے تیار ہو گئے کہ وہ کل ہند وفاق میں شریک ہونے کے لیے تیار ہیں اور ہندو مندوبین، جو ابھی تک وحدانی طرز حکومت کے خیال سے اتفاق کرنے پر کسی طرح تیار نہ تھے۔ چپ چاپ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ایک وفاقی اسکیم مرتب کر لی جائے۔ حد یہ کہ مسٹر شاستری جو چند دن پہلے سر جان سائمن پر اس لیے سخت معترض ہوئے تھے کہ انہوں نے ہندوستان کے لیے ایک وفاقی اسکیم کی کیوں سفارش کی تھی۔ یکایک بدل گئے اور گول میز کانفرنس کے ابتدائی اجلاس میں اس تبدیلی رائے کو مان بھی گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر اعظم برطانیہ کو موقع مل گیا کہ اپنی آخری تقریر میں انہوں نے بڑے ہی تیکھے طنز سے کام لیا۔ اس تمام قصّے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں انگریزوں کا بھی مفاد ہے کہ دیسی والیان

ریاست وفاق میں شریک ہوں اور ہندوؤں نے بھی فوراً اس کو یوں مان لیا کہ اس طرح ایک کل ہند وفاق وجود میں آجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وفاق کے منصوبے میں والیان ریاست کی شرکت سے دو مقاصد پورے ہوتے تھے۔ یاد رہے کہ ان والیان ریاست میں چند ہی مسلمان ہیں۔ ایک طرف تو یہ بڑا مقصد پورا ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان پر انگریزوں کا راج مسلط رکھنے میں مدد دیں گے، وہی راج جیسا کہ تقریباً اب ہے۔ دوسری طرف ہندوؤں کو کل ہند وفاقی مقننہ میں ان والیان ریاست کی وجہ سے اکثریت حاصل ہو جاتی ہے۔ مرکزی حکومت کے باب میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلاف موجود ہے انگریز اہل سیاست نہایت چالاکی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے والیان ریاست سے کام نکالیں گے اور ان والیان ریاست یہ نظر آتا ہے کہ اس طرح ان کی مستبد حکومتوں کو اور بھی پشت پناہی حاصل ہو جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے اس منصوبے کو چپ چاپ قبول کر لیا تو ان کا سیاسی وجود بہت جلد خاتمے کو پہنچ جائے گا۔ اس طرح جو وفاقِ ہند وجود میں آئے گا۔ اس میں بھی والیان ریاست فیصلہ کن عنصر ہوں گے۔ یعنی سیاہ سفید کے مالک۔ اگر شہنشاہت برطانیہ کے مفاد کا معاملہ سامنے ہوا تو وہ تاج برطانیہ کا ساتھ دیں گے۔ اور جہاں تک اندرونی نظم و نسق کا تعلق ہے وہ ہندوؤں کا اقتدار قائم و مضبوط بنانے میں مدد دیں گے۔ گویا یوں سمجھئے کہ یہ منصوبہ شہنشاہیت برطانیہ اور ہندوؤں کے درمیان ملی بھگت ہے یعنی یہ کہ اگر تم میرا راج ہمیشہ قائم رکھنے میں مدد دو تو میں تمہاری مدد کروں گا اور ساری قوموں کو تمہاری یعنی ہندوؤں کی غلامی میں دے دوں گا اور تمہارا اقتدار برقرار رہے گا۔ پس اگر برطانوی ہند کے صوبوں کو پورے حقیقی اختیارات حاصل نہیں ہوتے تو وفاق ہند میں راجواڑوں کی شرکت کا پھر اور کیا مطلب ہے۔ سوائے اس کے کہ نہایت عیاری کے ساتھ تمام

فرقوں کو انگریز مدبّر خوش بھی کر دیں اور اصل طاقت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ مسلمانوں کو نفظ وفاق سے خوش کر دیں، ہندوؤں کو مرکز میں اکثریت دے کر اور برطانوی شہنشاہیت پسندوں کو خواہ وہ ٹوری پارٹی کے ہوں یا مزدور پارٹی کے ——— حقیقی طاقت سے۔

ہندوستان میں ہندو ریاستوں کی تعداد مسلمان ریاستوں سے کہیں زیادہ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ مرکزی وفاقی مقننہ میں انہیں ۳۳ فیصد نشستیں دی جائیں تو اسے ایک یا دو ایوانوں میں کیونکہ پورا کیا جائے گا۔ جبکہ برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں دونوں ہی کے نمائندے اس میں آکر بیٹھیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان نمائندے اس وفاقی ہندوستان کی اسکیموں کا اصل مفہوم اب سمجھ چکے ہوں گے۔ جس پر گول میز کانفرنس میں بحث ہوئی۔ مجوزہ وفاق میں مسلمانوں کی نیابت کے سوال پر ابھی وہاں گفتگو نہیں ہوئی ہے۔ البتہ رائٹر نے جو مختصر اطلاع بھیجی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "جو عبوری نوعیت کی رپورٹ پیش کی گئی ہے اس میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے نمائندے شریک ہوں گے لیکن ان کی تعداد کے معاملے پر اس وقت بحث ہوگی جب کمیٹی ان موضوعات پر غور کرے گی جنہیں ابھی ذیلی مجلس کو تفویض نہیں کیا گیا ہے۔" میری رائے میں تناسب کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے اور مقننہ کی ہیئت ترکیبی پر بحث کرنے کے ساتھ اس سوال پر بھی غور ہونا چاہیئے تھا۔

میری دانست میں بہترین طریقہ یہ ہوتا کہ جو وفاق بنایا جائے وہ صرف برطانوی ہند کا ہو۔ استبداد اور جمہوریت کے اس ناپاک اتحاد سے جو بھی وفاقی منصوبہ ابھرے گا۔ سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا کہ برطانوی ہند میں بدستور سابق وحدانی طرز حکومت کا حلقہ مسموم جاری رہے اس نوع کا وحدانی طرز حکومت انگریزوں کیلئے بڑا مفید ہے اور اسی طرح برطانوی ہند اکثریت کے مطلب کا بھی ہے اور دیسی ریاستوں کا بھی اسی میں بھلا ہے

مگر یہ مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا تا کہ گیارہ ہندوستانی صوبوں میں سے سات صوبوں
میں انہیں اکثریتی حقوق اور باقی ماندہ اختیارات پوری طرح حاصل ہوں۔ ادھر وفاقی مقننہ
میں کل نشستوں میں سے ایک تہائی مسلمانوں کو دی جائیں۔ برطانوی ہند کے صوبوں کے
لیے اقتدار اعلیٰ کے لیے اختیارات حاصل کرنے کا جہاں تک تعلق ہے نواب بھوپال
سر اکبر حیدری اور جناب جناح صاحب کا رویہ بالکل حق بجانب ہے چونکہ اب والیان
ریاست بھی وفاق میں شامل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا مرکزی مقننہ کے متعلق ہمیں اپنے مطالبات
کو نئے زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہو گی۔ اب محض یہ مسئلہ نہیں ہے کہ برطانوی
ہند کی مقننہ میں ہمارا کیا تناسب ہو بلکہ اب تو سوال یہ ہے کہ کل ہند وفاق میں مسلمانوں
کی نیابت کیسی ہو گی۔ اب ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان ریاستوں کی نشستوں
کو چھوڑ کر ہمیں اس وفاقی مرکزی مقننہ میں ایک تہائی نشستیں ملنی چاہیئں یعنی کل تعداد
میں یہی نسبت نیابت برقرار رہنی چاہیئے۔

مسئلہ دفاع

ہندوستان میں وفاقی نظام قائم کرنے میں ایک بہت بڑی مشکل ہندوستان
کے دفاع اور حفاظت کا مسئلہ ہے۔ شاہی کمیشن کے ارکان نے اس مسئلہ پر
بحث کی ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر نقائص نکالے ہیں تاکہ جنگی نظم و نسق ہمیشہ دولت
برطانیہ کی مٹھی میں رکھنے کا بہانہ مل جائے۔ کمیشن نے لکھا ہے "ہندوستان اور برطانیہ
کا تعلق کچھ ایسا ہے کہ اب، اور جہاں تک مستقبل میں جھانک کر دیکھا جا سکتا ہے۔
اس میں دفاع کے مسئلے کو صرف اور محض ہندوستانی مسئلہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس
قسم کی افواج کا انتظام و ہدایت برطانوی حکومت کے نائبین کے ہاتھ میں رہنا
چاہیئے" کیا اس بات سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جب تک گورا

فوج اور انگریز فوجی افسروں کی مدد کے بغیر ہندوستانی اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے لائق نہ ہوجائیں اس وقت تک ہندوستان کی آئینی ترقی کی راہ میں یہ مسئلہ ایک سنگِ گراں ضرور ہے۔ ۲۰، اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں جس آئینی منزل کی نشاندہی کی گئی ہے اس کی طرف بڑھنے کی ساری امیدیں خطرے میں پڑجاتی ہیں۔ اگر نہرو رپورٹ کا یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ "ہندوستان کو جب بھی مزید اختیارات دیئے جائیں اس میں یہ بھی شامل ہو کہ فوجوں کا نظم ونسق ملک کی منتخبہ مقننہ کے تحت رکھا جائے گا"

اس بیان کو مزید سہارا دینے کے لیے کمیشن نے آگے چل کر اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ ہندوستان میں مذہب مختلف ہیں۔ نسلیں جدا جدا ہیں۔ ان کی صلاحیتیں اور قوتیں بھی بالکل جداگانہ ہیں، اس لیے ایسا نظر آتا ہے کہ مسئلے کا کوئی حل ہی نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے لکھا ہے کہ "لفظ قوم کا جو مانا ہوا مفہوم ہے اسے دیکھتے ہوئے کھلی حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایک قوم نہیں ہے اور یہ بات اس وقت اور بھی زیادہ عیاں ہوجاتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھیں کہ ہندوستان کی جنگی قوموں اور دوسرے لوگوں میں کتنا زیادہ فرق موجود ہے"

مسئلے کے ان پہلوؤں پر زور دینے کا مقصد یہ ہے کہ انگریز ہی ہیں جو ہندوستان کو بیرونی حملوں سے بھی بچائے ہوئے ہے اور اندرون ملک بھی امن وامان قایم رکھنے میں "غیر جانبدار محافظ" ہیں، بہرحال وفاق کا جیسا مطلب میں نے سمجھا ہے ایسے وفاقی ہندوستان میں مسئلے کا بس ایک ہی پہلو باقی رہے گا۔ یعنی خارجی خطرے سے بچاؤ۔ ہندوستان کے اندرونی امن وامان کے لیے صوبائی فوجیں بالکل لازمی ہیں ان کے علاوہ ہندوستان کی وفاقی کانگرس شمال مغربی سرحدی صوبے میں ایک ایسی زبردست قومی فوج رکھ سکتی ہے جس میں ہر فریق کے آزمودہ کار افسر بھی ہوں

گے اور ہر دفاتی حصے کے بہترین چیدہ جوانوں کی یونٹیں بھی۔ میں یہ بات جانتا ہوں کہ ہندوستان میں اعلیٰ قابلیت کے فوجی افسروں کی کمی ہے اور کمیشن اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ فوجوں کا انتظام دولت برطانیہ کی مٹھی میں رہنا چاہیئے مگر میں یہاں ان کی ہی رپورٹ سے پھر ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے کمیشن کے موقف کی خود ہی تردید ہو جاتی ہے۔ رپورٹ میں لکھا ہے "اس وقت کوئی ہندوستانی ایسا نہیں جسے ملک معظم کی طرف سے فوجی کمیشن ملا ہو اور وہ کپتان کے درجے سے زیادہ کا ہو۔ ہندوستانی کپتانوں کی تعداد انتالیس ہے جن میں سے پچیس معمولی رجمنٹوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض خاصی عمر والے لوگ ہیں اور انہیں زیادہ بڑے فوجی عہدوں پر ترقی نہ مل سکے گی۔ خواہ سبکدوشی سے قبل وہ ضروری امتحان ہی کیوں نہ پاس کرلیں۔ ان میں سے بیشتر لوگ ایسے ہیں جو "سینڈہرسٹ" کی عسکری درسگاہ میں تربیت لینے نہیں گئے بلکہ جنگ عظیم میں انہیں کمیشن دے دیا گیا تھا ہم خواہ اس تبدیلی کے لیے کتنے ہی خلوص دل سے خواہاں ہوں اور اس کے لیے کتنی ہی مخلصانہ کوشش کیوں نہ کریں سب سے اہم اور کڑی شرائط ترقی کو سامنے رکھنا لابدی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر خود سکین کمیٹی نے ان لفظوں میں ساری بات کا لب لباب بتا دیا ہے۔ یعنی یہ کہ "ترقی" اس بات پر منحصر ہو گی کہ ہر ہر مرحلے پر کامیابی حاصل کی جائے اور فوجی کارکردگی برابر عمدہ رہے تو اس وجہ سے جو بھی قدم آگے بڑھائے جائیں گے۔ وہ کافی حد تک نپے تلے اور آہستہ ہوں گے۔ موجودہ ہندوستانی افسروں کو اپنے عہدوں پر ترقی دے کر یک دم کوئی فوجی ہائی کمان مرتب نہیں کی جا سکتی کیونکہ سب افسر ماتحت درجے کے ہیں اور تجربہ بھی محدود ہے۔ قلیل عرصے میں ان کے لیے اعلیٰ فوجی عہدوں پر پہنچنا ممکن نہیں یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہندوستانی افسروں کی تھوڑی سی تعداد میں

اضافہ ہو جائے۔ جو بڑا آہستہ رو ہے۔ ہر چند کہ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ یہ اضافہ ضرور ہو۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہندوستانیوں کی اچھی خاصی تعداد معقول تجربہ و مہارت حاصل نہ کرلے تاکہ اگر سب نہیں تو کچھ رجمنٹوں میں تو ہندوستانی افسر لگائے جا سکیں۔ پھر رجمنٹوں کی صلاحیت کا اندازہ اسی طرح کیا جائے جس طرح تجربہ و آزمائش سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہی ایک ذریعہ ہے بھی جب تک یہ بات پایۂ ثبوت اور حد اطمینان تک نہ پہنچے اس وقت تک یہ ممکن نہ ہو گا کہ فوج کو بالکل ہندوستانی بنا دیا جائے۔ اس حالت میں بھی اچھا خاصا وقت لگ جائے گا۔ تب ہی یہ کام تکمیل پذیر ہو گا۔"

اب میں یہ عرض کروں کہ اس صورت حال کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا ہماری فوجی صلاحیت والے فرقوں میں کوئی خلقی خرابی ہے؟ کیا یہ فوجی تربیت کے آہستہ رو ہونے کے باعث ہے؟ مگر ہماری فوجی صلاحیت تو مانی ہوئی ہے۔ فوجی تربیت بھی کم رفتار ہو سکتی ہے بہ نسبت انسانی تربیت کے دوسرے طریقوں کے۔ اس معاملے کی بابت میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ میں فوج کا آدمی نہیں ہوں۔ مگر ایک عام آدمی کی حیثیت سے اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جو طریقے بنائے گئے ہیں وہ تو شاید قیامت تک چلتے رہیں گے۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان ہمیشہ غلامی ہی میں رہے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق سرحدی افواج کا انتظام ایک مجلس دفاع کے ذمہ کر دیا جائے۔ جس کے ارکان کا فیصلہ آپس میں طے کر کے کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ سائمن رپورٹ نے بری افواج کو تو اس قدر غیر معمولی اہمیت دی ہے مگر بحری تحفظ کی بابت سرسری بات کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان پر خشکی کے راستے ہی حملہ آور ہوتے رہے ہیں مگر یہ بھی ظاہر

ہے کہ اس کے موجودہ حکمران جدھر سے آئے اور قابض ہوگئے وہ اس کے غیر محفوظ ساحلی سمندر ہی تھے۔ لہذا ایک آزاد و خود مختار ہندوستان کو اس زمانے میں اپنے ساحلوں کی حفاظت کا زیادہ خیال رکھنا ہوگا۔ بہ نسبت اپنی بری سرحدوں کے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر یہاں ایک وفاقی مملکت قائم ہوئی تو مسلم وفاقی ریاستیں تحفظ ہند کی خاطر ایک غیر جانبدار ہندوستانی فوج کے لیے ہر قسم کی مدد دینے کے لیے تیار ہوں گی۔ اور بر عساکر خشکی اور تری دونوں پر متعین کی جائیں گی۔ چنانچہ مغلوں کے عہد میں ایسی غیر جانبدار فوجیں حقیقتاً موجود تھیں بلکہ عہد اکبر میں تو ہندوستان کی سرحدوں کی حفاظت کا کام ایسے لشکروں کے سپرد تھا جن کے جرنیل ہندو ہوتے تھے۔ اس لیے اگر وفاق ہند کی بنیاد پر کوئی غیر جانبدار فوج بنانے کا منصوبہ ہوا تو یہ مسلمانوں کے جذبہ حب وطن کو تقویت دے گا اور آخر الامر اس شبہ کو بھی رفع کر دے گا کہ اگر باہر سے مسلمان ملکوں نے حملہ کیا تو ہندوستانی مسلمان سے جا ملیں گے۔

ایک متبادل تجویز

ہندوستان کے دو اہم آئینی مسئلوں کو میں نے جس طرح سمجھا ہے اسے مختصر طور پر آپ کے سامنے پیش کر دیا تاکہ مسلمان اپنے نقطۂ نگاہ سے دیکھ سکیں۔ ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے کا مستقل حل اسی طرح نکل سکتا ہے کہ برطانوی ہند کی دوبارہ تقسیم کی جائے اور یہی مسلمانوں کا سب سے بڑا مطالبہ ہے۔ اگر فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لیے علاقائی تقسیم کی تجویز کو نظر انداز کر دیا جائے تو میں پورے زور کے ساتھ مسلمانوں کے ان مطالبات کو دہراؤں گا۔ جس پر آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس نے بار بار زور دیا ہے۔ مسلمانانِ ہند دستور کی کسی ایسی

تبدیلی پر راضی نہ ہوں گے۔ جو ان کے اکثریتی حقوق پر اثرانداز ہوتی ہو۔ یعنی پنجاب اور بنگال میں جداگانہ انتخابات کے ذریعے جن کا تحفظ کیا جائے یا پھر کسی مرکزی مقننہ میں ان کے تینتیس فیصد مطالبۂ نیابت کو مجروح کرے۔ مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں نے اس سلسلے میں دو ٹھوکریں کھائیں۔ پہلا گڑھا جس میں وہ گرے وہ مسترد شدہ میثاق لکھنؤ تھا جس کی بنیاد ہندوستانی قومیت کا غلط تصور تھا اور اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی بھی سیاسی اہمیت اختیار کرنے سے محروم کر دیا۔ دوسرا گڑھا جس میں وہ گرے تنگ نظری پر مبنی مسلم یک جہتی کا وہ تصور ہے جو بالکل غلط ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس کا تعلق پنجاب کے دیہات کے مفاد کی خاطر ہے مگر اس نے جس تحریک کو جنم دیا ہے وہ مسلمانان پنجاب کو عمداً ایک اقلیت میں تبدیل کرتا ہے۔ لیگ کا یہ فرض ہے کہ وہ میثاق لکھنؤ کی بھی مذمت کرے اور پنجاب کی اس تجویز کی بھی۔

پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کے لیے ایک آئینی اکثریت کی سفارش نہ کر کے سائمن رپورٹ نے بڑی سخت ناانصافی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو مسلمان میثاق لکھنؤ کے پابند رہیں یا مخلوط انتخاب پر راضی ہو جائیں۔ سائمن رپورٹ پر حکومت ہند نے جو یادداشت روانہ کی ہے اس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ رپورٹ نے جن دو متبادل تجویزوں کو پیش کیا ہے مسلمانوں نے ان میں سے کسی کو بھی منظور کرنے کا رجحان ظاہر نہیں کیا۔ یادداشت میں لکھا گیا ہے کہ ''مسلمانوں کی یہ شکایت بجا ہے کہ بنگال و پنجاب میں ان کو اکثریت محض اس وجہ سے نہیں دی گئی کہ دوسرے صوبوں میں انہیں ''پاسنگ'' کا حق دے دیا گیا ہے''۔ مگر حکومت ہند کی اس یادداشت سے بھی اس ناانصافی کی تلافی نہیں ہوتی جو مسلمانوں کے ساتھ کی گئی ہے جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے اور یہ بڑا نازک نکتہ ہے۔ حکومت ہند نے بھی اس پر صاد کیا ہے کہ اس

"نہایت غور و توجہ سے مرتب کردہ متوازن منصوبے" کو مان لیا جائے۔ جس کی تیاری حکومت پنجاب کے سرکاری ارکان کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی اور جس کے تحت مسلمانان پنجاب کو پوری اسمبلی میں صرف انچاس فی صد نشستیں ملتی ہیں اور ہندوؤں سکھوں کی مشترکہ نشستوں میں انہیں صرف دو نشستوں کی اکثریت ملتی ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ پنجاب کے مسلمان اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ انہیں اپنی مجلس قانون ساز میں کھلی اکثریت حاصل نہیں ہو جاتی۔ بہر طور لارڈ ارون اور ان کی حکومت کو اس بات سے اتفاق ہے کہ جب تک حق رائے دہی اس قدر وسیع نہ ہو جائے کہ ہر فرقے کا تناسب آبادی کھلے طور پر تعداد نمائندگان سے ظاہر ہو سکے اور جب تک مسلمان کسی صوبائی اسمبلی میں اپنی دو تہائی اتفاق رائے سے جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوں۔ ہندوستان کی اقلیتیں اس کی مجاز ہوں گی کہ جداگانہ فرقہ وارانہ انتخاب کو حق بجانب سمجھیں۔ اب میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب حکومت ہند مسلمانوں کی شکایت کو حق بجانب سمجھتی ہے تو اس میں اتنی جرأت کیوں نہ ہوئی کہ وہ پنجاب و بنگال میں ان کی آئینی اکثریت کی سفارش کرتی۔

مسلمانان ہند کو کسی ایسی تجویز سے بھی اتفاق نہ ہو گا۔ جس کے تحت سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے اور شمالی مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی مرتبہ وہی نہ ہو جائے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے یعنی اس سے کمتر سیاسی درجے کا سلوک نہ کیا جائے۔ مجھے اس کے خلاف کوئی دلیل دکھائی نہیں دیتی کہ سندھ کو بلوچستان میں شامل کر کے ایک علیحدہ صوبہ کیوں نہ بنا دیا جائے۔ احاطۂ بمبئی میں کوئی چیز اس سے اشتراک نہیں رکھتی۔ حیات و ثقافت کے باب میں تو شاید کمیشن کی بھی یہ رائے ہے کہ اس کی مشابہت ہندوستان سے اس قدر نہیں جس قدر عراق و عرب کے تمدنوں سے ہے۔ مسلمان جغرافیہ دان مسعودی نے آج سے بہت پہلے اس مشابہت کو دیکھ کر ہی

کہا تھا کہ "سندھ وہ ملک ہے جو اسلامی ملکتوں سے قریب تر ہے"، کہا جاتا ہے کہ پہلے اموی حکمران نے مصر کی بابت کہا تھا "اس کی پشت افریقہ کی طرف ہے اور چہرہ عرب کی طرف" چند تبدیلیوں کے ساتھ بالکل یہی بات سندھ کے محل وقوع کی بابت بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس کی پشت سرزمین ہند کی طرف ہے تو چہرہ وسط ایشیا کی طرف۔ سندھ کے زرعی مسائل پر غور کرتے ہوئے جن کے لیے حکومت بمبئی کے دل میں کوئی جذبۂ ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتا اور اس کے بے انتہا تجارتی امکانات کا خیال کرتے ہوئے کہ کراچی برابر ترقی کرے گا اور ایک دن سرزمین ہند کا دوسرا بڑا شہر بن جائے گا۔ صاف نظر آتا ہے کہ اسے احاطۂ بمبئی کے ساتھ منسلک رکھنا بالکل غیر دانشمندانہ ہے۔ گو اس وقت وہ کتنا ہی دوست کیوں نہ نظر آئے مگر وہ دن دور نہیں کہ وہ اس کا حریف بن جائے گا۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اس علیحدگی کی راہ میں مالی مشکلات بہت ہیں مگر مجھے اس ضمن میں کسی بھی باضابطہ و مستند اعلان کا علم نہیں۔ لیکن خیر اگر ان مشکلات کے مفروضے کو مان بھی لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ حکومت ہندوستان اپنے اس امید افزا صوبے کو آزاد ترقی کرنے میں عارضی مالی امداد نہ دے۔

جہاں تک شمال مغربی سرحدی صوبے کا تعلق ہے۔ اراکین شاہی کمیشن نے یہاں کے لوگوں کو عملاً اصلاح کے حق سے ہی محروم کر دیا ہے۔ ان کی سفارشات دو بڑے کمیٹی کی سفارشات سے بھی کم ہیں۔ انہوں نے جس کونسل کی سفارش کی ہے اسے تو بس چیف کمشنر کی مطلق العنانی کے لیے ایک آڑ سمجھیے۔ افغانوں کو ان کے پیدائشی حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے کہ اپنی سگرٹ جلا سکیں کیونکہ اتفاق سے وہ ایک بارود گھر میں بسے ہوئے ہیں۔ شاہی کمیشن کے اراکین نے جو تجویز پیش کی ہے لطف سے خالی نہیں مگر دل کو نہیں لگتی۔ سیاسی اصلاحات روشنی ہوتی ہیں، آگ نہیں اور ہر شخص تک روشنی تک پہنچانا فرض ہے۔ اس لیے ہر ایک کو روشنی حاصل کرنے کا بھی حق ہے۔ خواہ وہ

اتفاقاً بارود خانے میں رہتا ہو یا کوئلے کی کان میں، افغان بہادر ہیں، ذہین ہیں اور اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے مصمم ارادے کے حامل بھی، اس لیے وہ ان کی خاطر ہر قسم کی تکلیف اٹھانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ وہ ایسی کوشش کی شدت سے مزاحمت کریں گے۔ جو انہیں آزاد مکمل خود اختیاری کے حق سے محروم کرتی ہو۔ اس قسم کے لوگوں کو ہر طرح مطمئن رکھنا انگلستان اور ہندوستان دونوں ہی کے مفاد میں ہے۔ اس بدنصیب صوبے میں پچھلے دنوں جو واقعات رونما ہوئے ہیں وہ دراصل نتیجہ ہیں اس سوتیلی ماں کے سے سلوک کا جو اس کے ساتھ کیا گیا یعنی باقی ہندوستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کے بعد یہاں کے لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا ہے مجھے یہی امید رکھنی چاہیئے کہ انگریز مدبرین اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال کر صحیح حالات سے نظریں نہیں چرائیں گے اور یہ فرض کرنے کی غلطی نہ کریں گے کہ یہاں جو کچھ بے چینی ہوئی ہے وہ خارجی ذرائع کی پیدا کردہ تھی۔

حکومت ہند نے اپنی یادداشت میں سرحدی صوبے کے لیے جن اصلاحات کی سفارش کی ہے وہ ناکافی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ سائمن رپورٹ سے یہ ذرا آگے ضرور ہیں کیونکہ تجویز ہوا ہے کہ یہاں ایک نمائندہ مجلس کی جائے اور نیم نیابتی کابینہ بھی ہو۔ مگر اس نہایت اہم مسلم صوبے کے ساتھ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے برابر سلوک نہیں کیا گیا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے دوسرے لوگوں کی نسبت افغان، جمہوری اداروں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔

گول میز کانفرنس

میرا خیال ہے کہ اب مجھے گول میز کانفرنس کے سلسلے میں کچھ اشارات کر دینے چاہیئں۔ میں اس کانفرنس کے نتائج کی بابت پرامید نہیں ہوں۔ توقع یہ تھی کہ فرقہ دارانہ

متنازعات کی سرزمین سے دور ہونے کے باعث اور ایک مختلف فضا میں لوگ کچھ بہتر ہوش مندی سے کام لیں گے اور دونوں بڑے فرقوں میں نااتفاقی دور ہو کر ہندوستان کی آزادی سامنے نظر آنے لگے گی۔ مگر حقیقت حال تو دوسری کہانی سناتی ہے حقیقت یہ ہے کہ لندن میں فرقہ وارانہ سوال پر جو بحث ہوئی اس نے ہمیں ہندوستان کے بنیادی اختلافات ثقافت کو اور بھی عیاں کر کے دکھا دیا۔ مگر وزیر اعظم برطانیہ اس سے انکار ہی کرتے نظر آتے ہیں کہ ہندوستان کا مسئلہ بین الاقوامی ہے نہ کہ قومی مبینہ طور پر انہوں نے کہا ہے کہ "ان کی حکومت کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے ایسی تجاویز رکھنا مشکل نظر آتا ہے جس میں جداگانہ انتخاب کو مانا گیا ہو کیونکہ مخلوط انتخابات برطانوی جمہوری جذبات کے ساتھ زیادہ قریب و ہم آہنگ ہیں۔ مگر انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ایسے ملک میں جہاں اتنی قومیں آباد ہوں برطانوی طرز جمہوریت کا کوئی فائدہ نہیں اور جداگانہ انتخاب تو مسئلے کے علاقائی فیصلے کا ایک نہایت معمولی سا بدل ہیں اور مجھے یہ امید بھی نہیں کہ اقلیتوں کی ذیلی کمیٹی بھی کسی قابل اطمینان نتیجے پر پہنچ سکے۔ اس لیے پورے مسئلے کو پارلیمان برطانیہ کے سامنے پیش ہونا چاہیے اور مجھے یہ امید رکھنی چاہیے کہ ہندوستان کے سیاستدانوں کی نسبت انگریز قوم کے زیرک نمائندے زیادہ گہری نظر سے کام لیتے ہوئے اس سطح کے نیچے تک دیکھیں گے جو یہاں پائی جاتی ہے اور محسوس کریں گے کہ ہندوستان جیسے ملک کے اندر امن و امان اور تحفظ کے لیے حقیقی و اساسی اصول کیا ہونے چاہیئں۔ کسی دستور ملک کو اس بنیاد پر تیار کرنا کہ ہندوستان ایک ہموار و مربوط قوم کی سرزمین ہے یا برطانوی احساسات سے پیدا ہونے والے اصولوں کو ہندوستان پر لاگو کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ نادانستہ طور پر ملک کو خانہ جنگی کے لیے تیار کرنا ہے جہاں تک میں اس بات کو دیکھ سکتا ہوں ملک میں کبھی امن وامان نہیں ہو سکتا جب تک یہاں کے بسنے والوں کو

آزاد خود اختیاری حکومت کے مواقع نہیں دیے جاتے جو اپنے ماضی سے رشتے توڑے بغیر جدید خطوط پر استوار ہوں۔

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مسلمان مندوبین نے یہ بات اچھی طرح محسوس کر لی ہے کہ میں جسے ہندوستان کا بین الاقوامی مسئلہ کہتا ہوں، اس کا مناسب حل کن خطوط پر ہے۔ مرکزی حکومت کو ذمہ داریاں سونپنے کے سوال سے پہلے فرقہ وارانہ مسئلے کا حل ضروری ہے اور جب وہ اس پر زور دیتے ہیں تو بالکل حق بجانب ہیں پروپیگنڈے کی خاطر ایک لفظ "فرقہ وارانہ" گھڑا گیا ہے۔ کسی مسلمان اہل سیاست کو اس طعن آمیز لفظ سے قطعی متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ محض اس لیے گھڑا گیا ہے کہ ان جذبات سے کھیلا جائے۔ جنہیں برطانوی وزیر اعظم جمہوری احساسات کا نام دیتے ہیں، یہ اس لیے بھی ہے کہ انگلستان کے لوگوں کو بہکا کر کسی ایسی صورت حال کے ماننے پر مجبور کیا جائے۔ جو ہندوستان میں موجود ہی نہیں ہے۔ اس وقت بہت سے اہم مفادات خطرے میں ہیں۔ ہم مسلمان سات کروڑ ہیں اور ہندوستان کے دیگر باشندوں کے مقابلے پر کہیں زیادہ مربوط اور مستحکم ہیں۔ اگر ہندوستان کے کسی گروہ کو لفظ قوم کے جدید مفہوم سے صحیح طور پر تعبیر کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف ہم مسلمان ہی ہیں۔ یوں ہندو ہر پہلو سے ہم سے بہت آگے ہیں مگر ابھی تک ان میں وہ انفصالی رنگ پیدا نہیں ہوا جو کسی ملت کو بنا سکتا ہے اور اسلام نے ہم مسلمانوں کو یہ نعمت از خود عطا کر رکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک قوم بننے کے لیے سخت کوشاں ہیں مگر قوموں کی ترکیب تو ایک نیا سفر حیات شروع کرنا ہے اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے ان کے لیے یہ بڑا ضروری ہے کہ وہ تمام نظام ہائے معاشرت کو یک قلم بدل دیں۔ اسی طرح مسلمان راہنماؤں کو اس نازک لبادے میں چھپی ہوئی مگر بالکل مغالطہ آمیز دلیل سے بھی متاثر نہیں ہونا چاہیئے کہ ترکی اور ایران اور دوسرے

اسلامی ممالک قومی اساسوں پر ترقی کر رہے ہیں نہ کہ علاقائی بنیادوں پر، مگر ہندوستانی مسلمانوں کا تو معاملہ ہی جدا ہے۔ ہندوستان کے باہر جو اسلامی ملک ہیں ان میں عملاً صرف مسلمان ہی آباد ہیں اور وہاں جو اقلیتیں ہیں بھی تو انہیں قرآنی اصطلاح میں "اہل کتاب" کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں اور "اہل کتاب" میں کسی طرح کے معاشرتی حالات حائل نہیں ہوتے۔ کوئی یہودی یا عیسائی یا زرتشتی کسی مسلمان کے کھانے کو چھو لے تو وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔ اور اسلامی شریعت اہل کتاب کے ساتھ باہمی سلسلہ مناکحت کی بھی اجازت دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے نوع بشر کو متحد کرنے کے لیے یہی پہلا قدم اٹھایا کہ جن کا اخلاقی مطمح نظر یکساں تھا انہیں دعوت دی کہ وہ باہم آکر مل جائیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے " اھل الکتاب تعالوا علی کلمۃ (یعنی توحید) یہ الگ بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی اقوام باہم لڑتی رہیں اور پھر مغرب کا مقصود آہستہ آہستہ بلاد اسلام میں اس شکل میں نمودار ضروری ہو رہا ہے۔ جسے "مسلم قومیت" کہا جاتا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہمارے مندوبین کی کامیابی کا واحد اندازہ اس بات سے لگایا جاسکے گا کہ وہ کانفرنس کے غیر مسلم مندوبین میں سے کتنوں کو " قرار داد دہلی " کے مطالبات پر متفق کر سکتے ہیں۔ اگر ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا گیا تو ہمارے لیے بہت دوررس اہمیت کا حامل ایک سوال پیدا ہو جائے گا۔ اس حالت میں وہ لمحہ آجائے گا جب مسلمانان ہند ایک آزاد متفقہ سیاسی عمل کے لیے تیار ہو جائیں گے اگر آپ اپنے سیاسی مطمح نظر اور امنگوں کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو اس عمل کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے یقیناً کافی سیاسی غور و خوض سے کام لیا ہے اور ان کے تصورات نے ہی ہمیں اس بات سے باخبر کیا ہے کہ اندرون ہند اور باہر کے لوگوں کی آئندہ قسمتوں کا کیا فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن میں یہ

سوال کرتا ہوں کہ مستقبل قریب میں جو صورت حال ہمیں پیش آنے والی ہے۔ کیا اس غور و خوض نے اس کی بھی راہنمائی کی ہے کہ کیا عمل کریں تاکہ اس صورت حال سے نپٹا جا سکے۔ مجھے بلا تکلف یہ کہنے دیجیے کہ مسلمان اس وقت دو عوارض کا شکار ہیں۔ پہلا عارضہ تو یہ ہے کہ ان کے ہاں شخصیتوں کا قحط ہے۔ سر میلکم ہیلی اور لارڈ ارون نے جب یہ کہا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بڑے قائد پیدا نہ کر سکی تو وہ بالکل صحیح تشخیص تھی۔ قائدین سے میری مراد ایسی ہستیوں سے ہے جن کو فیضان ربّی حاصل ہو یا اپنے وسیع تجربات کی بدولت ایک طرف تو یہ بصیرت حاصل ہو کہ اسلامی تعلیمات کی روح و تقدیر کو جان لیں اور دوسری طرف ان میں یہ صلاحیت بھی موجود ہو کہ تاریخ حاضرہ کے رجحانات کو اپنے تیز ادراک کے ذریعے سمجھ لیں۔ ایسی ہستیاں کسی قوم کے لیے حرکی قوت ثابت ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ عطیۂ الٰہی ہوتے ہیں اور آرڈر پر تشکیل نہیں کیے جا سکتے۔ دوسرا عارضہ جس سے مسلمان دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ ان میں وہ مادہ نہیں رہا جسے "گروہی حیات" کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم تتر بتر ہو رہے ہیں۔ متعدد افراد اور جماعتیں اپنی اپنی راہوں کی طرف منہ اٹھائے ہوئے چلی جا رہی ہیں اور لوگ پورے گروہ اور ملت کے اجتماعی فائدے کے لیے ذہن و عمل کی صلاحیتوں کو کام میں نہیں لاتے۔ ہم سیاست کے میدان میں بھی آج وہی کر رہے ہیں۔ جو صدیوں سے دین کے معاملے میں کرتے رہے ہیں۔ لیکن مذہبی فرقوں کی تُو تُو مَیں مَیں ہماری قومی یک جہتی کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی۔ ان سے اور کچھ نہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی قوم کی ترکیب و ساخت کے اصول سے کتنا لگاؤ ہے۔ علاوہ ازیں یہ اصول اس قدر وسیع تصور پر محیط ہیں اور کسی فرقے کے لیے یہ ناممکن ہے کہ بغاوت کر کے پوری ملت اسلامیہ سے ہی نکل جائے۔ اس کے برعکس سیاسی زندگی میں اختلاف و پراگندگی اور وہ بھی اس نازک مرحلے پر جب کہ بہترین مفادِ ملت کے لیے اتحاد اور ارتکازِ عمل انتہائی ضرور ہے۔ مسلمانوں کی حیات ملی کے لیے بالکل مہلک

ثابت ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دو عوارض کا علاج کیا ہے ؛ پہلے عارضے کا علاج تو ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ البتہ دوسرے عارضے کے لیے علاج دریافت کرنا بالکل ممکن ہے۔ اس ضمن میں میں نے خاص رائے قائم کر رکھی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک وہ مخدوش حالات حقیقتاً رونما نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک ان کا اظہار ملتوی کر دینا بہتر ہے۔ اگر ایسا خطرہ پیدا ہو گیا تو پھر تمام حلقہ ہائے فکر کے مسلمانوں کو ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔ قراردادیں پاس کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ طے کرنے کے لیے کہ اب مسلمان کیا مسلک اختیار کریں گے۔ اور اسے حاصل کرنے کے لیے کیا روش طے ہوگی۔ میں نے اس خطبے میں اس مابدل بات کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ آپ لوگ اس کو ذہن میں رکھیں اور اس دوران میں اس پر کچھ سنجیدگی کے ساتھ غور بھی کرتے رہیں۔

حضرات! میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ عرض کر دیا ہے۔ آخر میں میں پھر یہ کہتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کی زندگی میں اس سے زیادہ نازک وقت نہیں آئے گا۔ اس لیے ہماری کامل تنظیم اور اتحاد میں مقصدِ عزم کی ضرورت عیاں ہے۔ اس میں آپ کا مفاد بھی ہے اور ملتِ اسلامیہ کا بھی بلکہ پورے ہندوستان کی بھلائی اسی میں ہے۔ ہندوستان کی غلامی پورے ایشیا کے لاانتہا مصائب کا بھی باعث بنی ہوئی ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو بالکل دبا دیا ہے اور جس اظہار ذات نے کسی وقت ایک عظیم و شاندار ثقافت کو جنم دیا تھا، وہ مسرت ہم سے چھین لی گئی ہے۔ ایک فرض تو وہ ہے جو ہندوستان کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ وہ جگہ جہاں ہمیں جینا بھی ہے اور مرنا بھی ہے اور دوسرا فرض وہ ہے جو ایشیا کی جانب سے عائد ہوتا ہے بالخصوص اسلامی ایشیا کی طرف سے۔ کیونکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ملکوں کے مقابلہ پر صرف اکیلے ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں جو ان سب کی مسلمان آبادی سے زیادہ ہیں۔ اس لیے وہ اسلام کے لیے کہیں زیادہ بیش بہا سرمایہ ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ مسئلہ ہند کو صرف مسلمانوں کے

نقطۂ نظر سے ہی نہیں دیکھیں بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے اپنے وجود کے باعث بھی دیکھیں۔ جب تک ہم کسی معین و مخصوص مقصد پر جمع نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک نہ ہم ایشیا کا فرض پوری طرح ادا کر سکیں گے اور نہ ہی ہندوستان کا۔ دوسری ہندوستانی ملتوں کے ساتھ اگر آپ کو اپنا وجود بھی قائم رکھنا ہے تو آپ کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہماری حالت بڑی پراگندہ ہے اور اس نے ہماری قومی سیاسی زندگی کے مسائل کو بہت الجھا رکھا ہے۔ میں سب ملتوں کے درمیان مفاہمت پیدا ہو جانے کی طرف سے مایوس تو نہیں ہوں مگر میں اس احساس کو بھی چھپا کر رکھنا نہیں چاہتا کہ میری قوم کو مستقبل قریب میں ایسے آزاد جادۂ عمل پر گامزن ہونے ضرورت لاحق ہوگی۔ جس کے ذریعے وہ موجودہ بحران سے ہٹ سکے۔ کسی بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی ملت کو قدم بڑھانے کے لیے اسی وقت تیار کیا جا سکتا ہے جبکہ لوگوں میں عزم راسخ پیدا ہو چکا ہو اور وہ اپنی ساری سوچ اور عمل کو ایک مقصد واحد پر مرکوز کر دیں۔ کیا آپ میں بھی وہ عزم وارادہ اور وہ مشترک لگن پیدا ہو سکتی ہے جو نامیاتی صفت رکھتی ہو؟ ہاں کیوں نہیں۔ اپنے اپنے گروہوں کے مفادات سے بلند ہو جائیے' اپنے ذاتی مقاصد اور عزائم کو چھوڑ دیجئے اور اپنے انفرادی و اجتماعی ارادوں خواہ وہ مادی نوعیت کے ہی کیوں نہ ہوں' اس مجموعی نصب العین کی روشنی میں دیکھیے جو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ پھر مادیات سے گزر کر روحانیت کی طرف آجائیے۔ مادہ مختلف شکلوں کا ہوتا ہے۔ روح نور ہے اور دائرہ حیات کا منبع بھی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ سے میں نے ایک ہی سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ اسلام ہی تھا جس نے آڑے وقت میں مسلمانوں کو بچایا نہ کہ اس کے برعکس۔ اگر آپ آج بھی اپنے تصوّر کو اسلام پر مرکوز کر دیں۔ اور اس سے زندگی کی امنگ حاصل کریں تو آپ کی پراگندہ و منتشر قوتیں از سر نو جیات پا سکتی ہیں اور انتشار سے جو کامل ہلاکت ہے بچ کر

آپ ایک عظیم و فعال قوت بن سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی ایک نہایت بلیغ آیت ہے جو ہمیں سمجھاتی ہے کہ پورے بنی نوع انسان کو حیات اور حیات نو ایسی ہی ہے جیسے ایک فرد واحد کی حیات نو۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ایک قوم کی حیثیت سے خود اپنے وجود سے یہ ثابت کر دیں کہ ہم اس ارفع تصوّر کا جیتا جاگتا پہلا عملی نمونہ ہیں۔ ایک نفسِ واحد کی طرح زندہ رہیئے، آگے بڑھیئے اور اس آیۂ کریمہ کے مصداق عظیم بن جائیے۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں لوگوں کو کسی حیرانی میں گم کر دینا چاہتا ہوں مگر اس بات کے صحیح معنی آپ کے ذہنوں پر جب ہی طلوع ہوں گے۔ جب آپ حقیقتاً اپنے آپ میں ایک اجتماعی انا پیدا کر لیں۔ قرآن کے الفاظ میں۔

عَلیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔

لاہور
۳۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(بصیغہ راز)

محترم جناح صاحب

میرا خیال ہے کہ آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو[1] کا وہ خطبہ[2] جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن[3] میں دیا ہے پڑھا ہوگا اور اس کے بین السطور جو

۱- پنڈت جواہر لال نہرو (۱۸۸۹-۱۹۶۴ء) انڈین نیشنل کانگریس کے رہنما تھے۔ اوائل زندگی ہی میں سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۲۹ء میں کانگریس کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور اس کے بعد کئی بار کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں بار بار نظر بند ہوئے۔ آزادی کے بعد بھارت کے پہلے وزیر اعظم بنے اور اپنی وفات تک وزارت عظمےٰ پر فائز رہے۔ بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی ان کی بیٹی ہیں۔

۲- خطبہ:- متذکرہ خطبہ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلمانوں کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ برصغیر کا حل طلب مسئلہ صرف اقتصادی مسئلہ ہے۔ خطبہ کے ان نکات پر علامہ اقبال قائد اعظم محمد علی کی خصوصی توجہ چاہتے تھے۔

۳- آل انڈیا نیشنل کنونشن:- ۱۹۳۶-۳۷ء کے انتخابات میں کانگریس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تو کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو دہلی میں آل انڈیا نیشنل کنونشن طلب کی جس میں ان تمام اراکین اسمبلی نے شرکت کی جو کانگریس کے ٹکٹ پر مختلف صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب ہوئے تھے۔

پالیسی کارفرما ہے اس کو آپ نے بخوبی محسوس کر لیا ہو گا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے میں سمجھتا ہوں آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ نئے دستور[۴] نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کم از کم اس بات کا ایک نادر موقعہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور مسلم ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقی کے پیش نظر اپنی قومی تنظیم کر سکیں اگرچہ ہم ملک کی دیگر ترقی پسند جماعتوں کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تاہم ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ایشیا میں اسلام کی اخلاقی اور سیاسی طاقت کے مستقبل کا انحصار بہت حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن کو ایک مؤثر جواب دیا جائے آپ جلد از جلد دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کنونشن[۵] منعقد کریں جس میں شرکت کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم رہنماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کنونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمح نظر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند ملک میں جُداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اندرون اور بیرونِ ہند کی دنیا کو بتایا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اپنے اندر زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے اور کسی صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلہ سے کم اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ اگر آپ ایسی کنونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا، جنھوں

۴۔ نئے دستور سے مراد قانونِ ہند ۱۹۳۵ء ہے۔

۵۔ آل انڈیا مسلم کنونشن: علامہ اقبال خواہشمند تھے کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن کا جواب آل انڈیا مسلم کنونشن کے ذریعے دیا جائے مگر ایسی کنونشن کا انعقاد نہ ہو سکا۔ البتہ اپریل ۱۹۴۶ء میں دہلی میں مسلم نمائندوں کا ایک کنونشن ہوا جس میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب نمائندوں نے شرکت کی اور انہوں نے حصول پاکستان کے لیے تجدید عزم کیا۔

نے مسلمانانِ ہندکی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں مزید برآں اس سے ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کیسا ہی عیارانہ کیوں نہ ہو پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں چند روز تک دہلی آرہا ہوں۔ اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو ہوگی۔ میرا قیام افغانی سفارت خانہ میں ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ فرصت ہو تو وہیں ہماری ملاقات ہونی چاہیئے۔ ازراہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائیے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بار ایٹ لاء

مکرر آنکہ: معاف فرمائیے۔ میں نے یہ خط آشوبِ چشم کی وجہ سے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔

لاہور
۲۸ مئی ۱۹۳۷ء

(بصیغہ راز)

محترم جناح صاحب

آپ کے نوازش نامہ کا شکریہ جو مجھے اس اثنا میں ملا۔ مجھے یہ جان کر بیحد خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں جن تبدیلیوں کے متعلق میں نے تحریر کیا تھا وہ آپ کے پیش نظر رہیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند کی نازک صورتحال کا آپ کو پورا پورا احساس ہے۔ مسلم لیگ کو آخر کار یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بالائی طبقوں کی ایک جماعت بنی رہے گی یا مسلم جمہور کی جنہوں نے اب تک بعض معقول وجوہ کی بنا پر اس (مسلم لیگ) میں کوئی دلچسپی نہیں لی میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی ضامن نہ ہو۔ ہمارے عوام کے لیے باعثِ کشش نہیں ہو سکتی۔

نئے دستور کے تحت اعلیٰ ملازمتیں تو بالائی طبقوں کے بچوں کے لیے مختص ہیں اور ادنیٰ ملازمتیں وزراء کے اعزا اور احباب کی نذر ہو جاتی ہیں دیگر امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی طرف کبھی غور کرنے کی ضرورت نہیں کی۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گذشتہ دو سو سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس غربت کی وجہ ہندو کی ساہوکاری (سود خوری) اور سرمایہ داری ہے۔ یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے ابھی پوری طرح نہیں اُبھرا لیکن آخر کو ایسا ہو کر رہے گا۔ جواہر لال نہرو کی بے دین اشتراکیت[1] مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی۔ لہٰذا

---

[1] اشتراکیت:۔ ایک قدیم سیاسی نظریہ ہے جو ریاست میں انفرادی ملکیت کو ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار کو ریاست کی تحویل میں دے دیتا ہے۔ کارل مارکس نے سب پہلے اسے علمی اصولوں

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے۔ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر مسلم لیگ نے (اس ضمن میں) کوئی وعدہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اسکا حل موجود ہے اور موجودہ نظریات کی روشنی میں (اس میں) مزید ترقی کا امکان ہے۔ اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ مسلمان کی غربت (روٹی کا مسئلہ) اور ہندوستان میں امن و امان کا قیام اسی سے حل ہو سکتا ہے اگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے تو پھر دوسرا متبادل (راستہ) صرف خانہ جنگی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کچھ عرصے سے جاری ہے مجھے اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین (کی داستان) دہرائی جائے گی۔ جواہر لال نہرو کی اشتراکیت کا ہندوؤں کی ہیئتِ سیاسیہ کے ساتھ پیوند بھی خود ہندوؤں کے آپس میں خون خرابہ کا باعث ہوگا۔ اشتراکی جمہوریت اور برہمنیت[1] کے درمیان وجہِ نزاع برہمنیت اور بدھ مت[2] کے درمیان

پر پیش کیا مگر اس نظریہ کو مقبولیت بہت بعد میں حاصل ہوئی۔ اشتراکیت میں خدا کا تصور بالکل نہیں اس لیے اسے بے دین اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے۔ آج کل روس چین اور مغربی یورپ کے بہت سے ممالک میں اشتراکیت کا دور دورہ ہے۔

۱- برہمنیت سے مراد ہندو مت ہے جو ایک قدیم مذہب ہے۔ یہ مذہب ہے۔ یہ مذہب کسی مخصوص

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

وجۂ نزاع سے مختلف نہیں ہے ۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ مت کا سا ہوگا یا نہیں ؟ میں اس بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا لیکن میرے ذہن میں یہ بات صاف ہے کہ اگر ہندو دھرم اشتراکی جمہوریت اختیار کر لیتا ہے تو خود ہندو دھرم ختم ہو جاتا ہے ۔ اسلام کے لیے اشتراکی جمہوریت کو مناسب تبدیلیوں اور اسلام کے اصولِ شریعت کے ساتھ اختیار کر لینا کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع ہوگا ۔ موجودہ مسائل کا حل مسلمانوں کے لیے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے لیکن جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے ۔ مسلم ہندوستان کے ان مسائل کا حل آسان طور پر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ملک کو ایک یا زیادہ مسلم ریاستوں میں تقسیم کیا جائے جہاں پر مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو ۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آ پہنچا ؟ شاید جواہر لال کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ ایک بہترین جواب ہے ۔

یا کسی مخصوص شخصیت کی تعلیم سے ماخوذ نہیں بلکہ یہ متضاد اور مختلف اوہام اور بے بنیاد عقیدوں کا مجموعہ ہے ۔ ہندو معاشرہ شدت سے ذات پات کا قائل ہے ۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ تمام انسان چار ذاتوں برہمن ۔ کھتری ۔ ویش اور شودر میں منقسم ہیں ۔ برہمن سب سے اعلیٰ اور اونچی ذات تصور کی جاتی ہے اور اُسے دوسری ذاتوں پر ہمیشہ برتری حاصل رہی ہے ۔

۲ ۔ بدھ مت : ۔ ایک قدیم غیر الہامی مذہب جس کی بنیاد گوتم بدھ نے رکھی ۔ اس مذہب میں کسی خدا کا تصور نہیں بلکہ یہ چند اخلاقی اور روحانی تعلیمات کا مجموعہ ہے ۔ گوتم بدھ کے نزدیک زندگی دکھوں کا گھر ہے اور مصائب انسان کا مقدر ہیں ۔ ان سے نجات پانے کا طریقہ خواہشات کو ختم کر کے زندگی سے فرار اور رہبانیت اختیار کرنا ہے ۔

بہر حال میں نے اپنے خیالات پیش کر دیے ہیں اس امید پر کہ آپ اپنے خطبہ یا مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں اُن پر سنجیدگی سے توجہ دیں گے۔ مسلم ہندوستان کو امید ہے کہ اس نازک دور میں آپ کی فراست موجودہ مشکلات کا کوئی حل تجویز کر سکے۔ آپ کا مخلص

محمد اقبال

مکرّر آنکہ:- اس خط کے موضوع پر میرا ارادہ تھا کہ آپ کے نام اخبارات میں ایک کھلا خط شائع کراؤں مگر غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ وقت ایسے اقدام کے لیے موزوں نہیں۔

سلسلہ "خطباتِ قائدِ اعظم" (۱)

خواتین و حضرات!

آج پندرہ ماہ کے بعد ہم اپنے اس اجلاس میں جمع ہوئے ہیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا پچھلا اجلاس دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ ہوا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک کئی تبدیلیاں اور واقع ہو چکی ہیں۔ پہلے میں مختصراً یہ بتاؤں گا کہ ۱۹۳۸ء کے اجلاس پٹنہ کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کو کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور اس نے کیا کیا کام سرانجام دیے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک کام جو ہمارے سپرد کیا گیا تھا اور جو اب تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا مسلم لیگ کو پورے ہندوستان میں منظم کرنے کا تھا۔ اس سلسلے میں پچھلے پندرہ مہینوں میں ہم نے شاندار ترقی کی ہے۔ میں آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ ہم نے ہر صوبے میں صوبائی مسلم لیگ قائم کر دی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانون ساز اسمبلیوں کے ہر ضمنی انتخاب میں ہمیں طاقتور اور زبردست حریفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے ہر آزمائش میں ہمت، استقلال اور بلند حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ کسی ایک ضمنی انتخاب میں بھی ہمارے حریفوں کو مسلم لیگ کے امیدواروں کے خلاف کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایوانِ بالا کے گذشتہ انتخاب میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی

حاصل ہوئی مسلم لیگ کی ملک گیر تنظیم کے ضمن میں ہم نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں۔ یہاں اُن کی تفصیل میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔

مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں

آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ ہم نے پٹنہ کے اجلاس میں ایک مجلس خواتین مقرر کی تھی۔ یہ امر ہمارے لیے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ زندگی اور کام کی جدوجہد میں ہم اپنی عورتوں کو شریک ہونے کا ہر موقع دیں۔ عورتیں پردے میں اور گھر کی چار دیواری میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ "مجلس خواتین" اسی خیال سے مقرر کی گئی تھی کہ انھیں مسلم لیگ کے کام میں شریک کیا جائے۔ اس مرکزی مجلس کے مقاصد یہ تھے :-

۱۔ صوبائی اور ضلعی مسلم لیگوں کو منظم کرنا

۲۔ خواتین کو کافی تعداد میں مسلم لیگ کا رکن بنانا۔

۳۔ پورے ہندوستان میں مسلمان عورتوں میں مسلم لیگ کا وسیع پروپیگنڈا کرنا تاکہ ان میں بہتر سیاسی شعور پیدا کیا جائے۔ اگر ان میں سیاسی شعور پیدا ہو جائے تو یاد رکھیے کہ آپ کے بچوں کی پریشانیاں کم ہو جائیں گی۔

۴۔ ایسے تمام امور و معاملات میں ان کی رہنمائی کرنا اور مشورہ دینا جو مسلم معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے براہ راست اور سراسر عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں

میں خوش ہوں کہ اس مرکزی مجلس نے اپنا کام سنجیدگی اور مستعدی سے شروع کیا۔ اب تک خاصا مفید کام ہو چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب ہم مجلس کے کاموں کی رپورٹ دیکھیں گے تو مسلم لیگ کیلئے اُن کی شاندار خدمات پر ہم ان کا شکریہ ادا کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

تنظیم کی اہمیت

ہمیں جنوری ۱۹۳۹ء سے آغازِ جنگ تک بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور میں ہم ودیا مندر سکیم سے دوچار ہوئے۔ ہندوستان بھر میں ہمیں واردھا سکیم کے مقابلے پر جم جانا پڑا۔ کانگرسی حکومتوں کے صوبوں میں مسلمانوں پر جو جبر و تشدد کیا جارہا تھا ہمیں اسے برداشت کرنا پڑا۔ بعض ہندوستان کی ریاستوں مثلاً جے پور اور بھاؤنگر میں مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا گیا۔ ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑا۔ راجکوٹ کی مختصر سی ریاست میں کئی اہم مسائل پیدا ہو گئے تھے اور ہمیں اُن سے عہدہ برآ ہونا پڑا۔ راجکوٹ کے معاملے کو تو کانگرس نے آزمائشی کسوٹی بنا کر رکھ دیا تھا جس کی لپیٹ میں ایک تہائی ہندوستان آگیا ہوتا۔ مختصر یہ کہ جنوری ۱۹۳۹ء سے جنگ کے آغاز تک پُورا عرصہ مسلم لیگ کو گوناگوں مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ آغازِ جنگ سے پہلے مسلمانانِ ہند کے سامنے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ شاید مرکزی حکومت میں وفاقی سکیم نافذ ہو جائے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس سلسلے میں کیا کیا ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن مسلم لیگ ہر سمت اور ہر پہلو سے اُن کی شدید مزاحمت کر رہی تھی۔ ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم کبھی مرکزی وفاقی حکومت کی خطرناک سکیم قبول نہیں کریں گے؛ جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رُو سے ہم پر عائد کی جانے والی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے حکومت برطانیہ کو سکیم سے دستبردار ہونے پر مائل کرنے کے لیے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اس مسئلے کی اہمیت حکومت برطانیہ کے ذہن نشین کرانے کے لیے مسلم لیگ نے کوئی معمولی کام نہیں کیا۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ضدی ہوتے ہیں۔ وہ بہت قدامت پسند واقع ہوئے ہیں۔ ہوشیار اور چالاک ہونے کے باوجود بات دیر سے سمجھتے ہیں۔ جنگ چھڑنے کے بعد وائسرائے کو قدرتی طور پر مسلم لیگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یعنی انھیں اس حقیقت کا احساس کہ مسلم لیگ

بھی ایک طاقت ہے، صرف اس وقت ہُوا جب جنگ چھڑ گئی۔ یاد رہے کہ جنگ چھڑنے سے پہلے تک وائسرائے کو کبھی خیال نہیں آیا۔ جب آیا گاندھی جی کا آیا اور صرف گاندھی جی کا۔ میں عرصے تک اسمبلی میں ایک اہم پارٹی کا قائد رہا ہوں جو موجودہ پارٹی سے جس کی قیادت کا شرف مجھے حاصل ہے، کافی بڑی تھی۔ یعنی مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی۔ لیکن اس کے باوجود وائسرائے صاحب کو اس سے پہلے کبھی میرا خیال نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب گاندھی جی کے ساتھ ساتھ مجھے بھی دعوت نامہ وصول ہُوا تو میں دل ہی دل میں حیران ہوا کہ یکایک میری اس عزت افزائی کی آخر وجہ کیا ہے۔ سوچا تو اس کا ایک ہی جواب ملا۔ "آل انڈیا مسلم لیگ" جس کا میں حسنِ اتفاق سے صدر ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ کانگرس ہائی کمان کو جو سخت ترین صدمہ پہنچ سکتا ہے، وہ یہ ہے، کیونکہ اس سے اس کی پورے ہندوستان کی واحد نمائندگی کی اجارہ داری ختم ہوگئی ہے گاندھی جی اور ہائی کمان کے رویے سے تو یہاں تک ظاہر ہے کہ وہ ابھی تک اس صدمے سے جانبر نہیں ہوئے۔ ان ساری باتوں سے میرا مقصد آپ کو یہ جتانا ہے کہ خود کو منظم کرنے کی کیا اہمیت اور کیا قدروقیمت ہوتی ہے۔ اس موضوع پر میں اور کچھ نہ کہوں گا۔

"شریفانہ معاہدہ"

لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جو کچھ دیکھا اور سُنا ہے، اس کی بنا پر یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان اب ہوشیار اور بیدار ہو گئے ہیں اور مسلم لیگ نے ایک ایسے مضبوط اور طاقتور ادارے کی حیثیت اختیار کر لی ہے کہ اسے کوئی شخص ختم نہیں کر سکتا، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کتنے ہی اونچے مرتبے پر فائز ہو۔ لوگ آئیں گے اور جائیں گے، لیکن مسلم لیگ ہمیشہ قائم رہے گی۔

جنگ چھڑ جانے کے بعد ہماری یہ حالت ہوگئی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری

طرف کھائی تھی اور میں نہیں سمجھتا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہماری یہ حالت بھی ختم ہو جائیگی، بہر حال یہ ہے ہماری حالت ہم واضح طور پر ہندوستان کی آزادی کے طلبگار ہیں۔ لیکن آزادی پورے ہندوستان کے لیے ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ایک فرقے کو آزادی ملے اور دوسرے کو نہیں۔ یہ نہ ہو کہ کانگرس کو تو آزادی مل جائے اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو غلامی۔

آج ہندوستان میں جو کچھ ہماری حالت ہے، جیسے بھی ہم ہیں۔ بہر حال ہم اپنے ماضی کے تجربات کو فراموش نہیں کر سکتے۔ بالخصوص کانگرسی حکومتوں کے صوبوں میں صوبائی دستور کے نفاذ سے، حالیہ برسوں میں ہم نے کافی تلخ تجربے اٹھائے ہیں اور اُن سے کئی سبق سیکھے ہیں۔ اب ہماری تشویش اور بھی بڑھ گئی ہے اور ہم کسی پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتے۔ اکثر اوقات ہم کسی پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر کے نقصان اُٹھاتے رہے ہیں۔ اس سے ہر شخص کو یہ سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ ان لوگوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دے جو اُسے دھوکا دے چکے ہیں۔ خواتین و حضرات! ہم نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ کانگرسی ہائی کمان مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی۔ جیسا کہ اس نے کانگرسی حکومتوں کے صوبوں میں فی الحقیقت اور عملی طور پر کیا۔ میں نے کبھی تصوّر تک نہ کیا تھا کہ کانگرس اور انگریزوں میں کوئی "شریفانہ معاہدہ" اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تو کئی کئی ہفتے کے بعد چیختے چلاتے رہیں اور گورنر حضرات ٹس سے مس نہ ہوں اور وائسرائے بھی چپ سادھ لیں۔

ہم نے اُنھیں یاد دلایا کہ آپ ہمارے لیے اور دوسری اقلیتوں کے لیے کچھ خصوصی ذمہ داریاں رکھتے ہیں، ہم نے انھیں اُن کے وہ مقدس وعدے یاد دلائے جو انھوں نے ہم سے کیے تھے۔ لیکن اُن کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ خوش قسمتی سے قسمت نے ہماری یاوری کی۔ وہ "شریفانہ معاہدہ" پارہ پارہ ہو گیا اور اللہ کا شکر ہے کہ کانگرسی وزارتوں نے استعفے دے دیے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ اپنے استعفوں پر بہت پچھتا رہے ہیں۔ اُن کی ساری اکڑ فوں آناً فاناً ختم ہوئی۔ جو کچھ ہوُا، بہت اچھا ہوا۔ اس

لیے میں پوری سنجیدگی سے آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی تنظیم کرو، اس طریقے سے اپنی تنظیم کرو کہ اپنی ذاتی طاقت کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کر سکو۔ یہ آپ کا واحد تحفظ ہے اور بہترین تحفظ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسروں کے بدخواہ ہوں یا اُن کے لیے دل میں عناد رکھیں۔ اپنے حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے آپ کو اپنے میں وہ قوت پیدا کرنی چاہیئے کہ آپ اپنا تحفظ خود کر سکیں۔ بس میں آپ سے یہی چاہتا ہوں۔

مستقبل کا دستور

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مستقبل کے دستور کے بارے میں ہماری پوزیشن کیا ہے؟ یہ کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ جنگ ختم ہونے کے فوراً بعد ہندوستان کے آئندہ دستور کے مسئلے کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا جائے۔ ہم اس امر پر یقین نہیں رکھتے کہ حکومتِ برطانیہ سے درخواست کی جائے کہ وہ اعلانات کرے۔ اعلانات کی درخواست کر کے یقیناً اُسے اس سرزمین سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہرحال کانگرس نے وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ اعلان کرے۔ وائسرائے نے کہا" میں نے اعلانات کر رکھے ہیں۔" کانگرس نے کہا" نہیں حضور نہیں، ہم دوسرے قسم کا اعلان چاہتے ہیں۔ آپ کو فوراً یہ اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہندوستان آزاد اور خود مختار ہے۔ اسے بالغ رائے دہی یا اس سے کمتر کسی اور معیارِ رائے دہی پر دستور ساز اسمبلی کے ارکان منتخب کرنے اور اپنا دستور خود بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ یہ اسمبلی اقلیتوں کے جائز مفادات کو یقیناً پورا کرے گی۔" گاندھی جی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو وہ اس کے لیے آمادہ ہیں کہ اعلیٰ اختیارات کا حامل اور انتہائی غیر جانبدار ٹربیونل مقرر کیا جائے جو تنازعے کا تصفیہ کرے۔ اب اس سے قطع نظر کہ یہ تجویز ناقابلِ عمل ہے، اور اس حقیقت کے باوصف کہ برسرِ اقتدار پارٹی سے دستور

ساز اسمبلی کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے کہنا تاریخی اور آئینی اعتبار سے لغو اور مضحکہ خیز ہے۔ ان باتوں کے باوجود فرض کیجئے۔ ہم رائے دہی کے اس حق اور اصول سے متفق نہیں ہوتے جس کے مطابق دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب ہوگا، یا فرض کیجئے کہ دستور ساز اسمبلی میں ہم مسلمانوں کے نمائندے مجموعی طور پر غیر مسلم اکثریت سے اتفاق نہیں کرتے ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ کہا جاتا ہے کہ اس برعظیم کا قومی دستور وضع کرنے کے سلسلے میں یہ اسمبلی جو چاہے سو کرے، ہمیں اس کے کسی فعل یا اقدام سے اختلاف کرنے کا حق حاصل نہیں، ماسوائے ان معاملات کے جن کا تعلق اقلیتوں کے تحفظات سے ہو۔ گویا ہمیں صرف اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے بارے میں اختلاف کرنے کی خصوصی رعایت دی جا رہی ہے۔ ہمیں یہ خصوصی رعایت بھی حاصل ہے کہ ہم اپنے نمائندے جُداگانہ انتخاب سے اسمبلی میں بھیج سکتے ہیں۔ اب یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تجویز اس مفروضے پر مبنی ہے کہ جونہی یہ دستور نافذ ہوگا۔ انگریز خود بخود غائب ہو جائیں گے۔ اس کے سوا اس کا اور کوئی مفہوم و منشا نہیں۔ بے شک یہ گاندھی صاحب ہی نے فرمایا ہے کہ دستور ہی اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ انگریزوں کو یہاں سے ختم ہونا چاہیئے، اور اگر ہوں تو کس حد تک۔ بالفاظِ دیگر اس تجویز کا لبِ لباب یہ ہے۔ پہلے تو مجھے اعلان کر کے یہ بتایئے کہ ہم آزاد اور خود مختار قوم ہیں، اور اس کے بعد میں سوچوں گا کہ مجھے اس کے صلے میں آپ کو کیا دینا چاہیئے۔ گاندھی صاحب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، تو کیا واقعی ان کا مقصد کامل آزادی کا حصول ہوتا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انگریزوں کی حکومت ختم ہو یا نہ ہو، ہندوستانیوں کو بہر حال وسیع اختیارات منتقل ہو جائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں۔ دستور ساز اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا ہوگا، تو مجوزہ ٹربیونل کون مقرر کرے گا؟ اور فرض کیجئے کہ متفقہ طور پر ٹربیونل مقرر کرنا ممکن ہے اور ایسا متفقہ ٹربیونل اپنا ایوارڈ دے دے اور فیصلہ سُنا دے تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں

کہ یہ کون دیکھے کہ اس ایوارڈ کا نفاذ صحیح طور پر ہوا ہے یا ایوارڈ کی شرائط کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل کیا گیا ہے؛ یہ کون دیکھے گا کہ ٹربیونل کے فیصلے کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے جب کہ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ انگریز تو اپنے اختیارات سمیت مکمل طور پر یا زیادہ تر الگ ہو جائیں گے؛ ایوارڈ کو نافذ کرنے والی اور عملی جامہ پہنانے والی طاقت کیا ہوگی اور کس کی ہوگی؛ اس کا بھی وہی جواب ہے۔ ہندو اکثریت کی طاقت۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ٹربیونل کے فیصلے کا نفاذ برطانوی سنگینوں کی مدد سے ہوگا یا گاندھی جی کی اہنسا عدم تشدد کے ذریعے؛ کیا ہم ان دونوں پر مزید اعتماد کر سکتے ہیں؛ علاوہ ازیں خواتین و حضرات! کیا آپ تصوّر کر سکتے ہیں کہ اس نوعیت کے معاشرتی معاہدے کا کوئی مسئلہ، جس کی بنیاد پر ہندوستان کا آئندہ دستور بنایا جائے گا جو نو کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوگا، عدالتی ٹربیونل کی وساطت سے حل ہو سکتا ہے؛ کانگرس کی تجویز تو یہی ہے۔

جتنے مُنہ اُتنی باتیں

چند روز پیشتر گاندھی جی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس پہ اظہارِ رائے کرنے سے پہلے میں کانگرس کے چند دوسرے لیڈروں کے بیانات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کی آواز ایک دوسرے سے جُدا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں ــــ مدراس کے سابق وزیرِ اعظم مسٹر راج گوپال اچاریہ کہتے ہیں کہ ہندو مُسلم اتحاد کی واحد اکسیرِ اعظم مخلوط انتخابات ہیں۔ یہ گویا کانگرس کے ایک بڑے ڈاکٹر کی حیثیت سے انہوں نے اپنا نسخہ تجویز فرمایا ہے (قہقہہ) اس کے برعکس چند روز ہوئے بابو راجندر پرشاد نے کہا ہے "آخر مسلمان اور کیا کچھ چاہتے ہیں؟" میں آپ کو ان کے اصل الفاظ پڑھ کر سناتا ہوں۔ انہوں نے اقلیتوں کے مسئلے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: اگر برطانیہ ہمیں حق خود ارادیت دے دے تو یہ تمام اختلافات خود بخود مٹ جائیں گے۔" اس کی وضاحت انھوں نے

نہیں کی اور نہ ہماری معلومات بڑھانے کی خاطر اس پر روشنی ڈالی۔

لیکن جب تک یہاں برطانیہ اور اس کا اقتدار قائم رہے گا، یہ اختلافات برقرار رہیں گے
کانگرس نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ آئندہ دستور صرف کانگرس نہیں، بلکہ تمام سیاسی
پارٹیوں اور مذہبی فرقوں کے نمائندے بنائیں گے۔ کانگرس نے کچھ اور آگے بڑھ کر یہ اعلان
بھی کر رکھا ہے کہ اقلیتیں اس مقصد سے اپنے نمائندے جداگانہ انتخابات کے ذریعے چن
سکتی ہیں۔ حالانکہ کانگرس جداگانہ انتخابات کو برا سمجھتی ہے۔ دستور ساز اسمبلی بلالحاظ مذہب و
سیاست، اس ملک کے تمام لوگوں کی نمائندہ ہوگی۔ ہندوستان کا آئندہ دستور کوئی پارٹی نہیں
بلکہ نمائندہ اسمبلی بنائے گی۔ اقلیتوں کو اس سے بہتر ضمانت اور کیا مل سکتی ہے؟ چنانچہ
بابو راجندر پرشاد کے نزدیک ..... جونہی ہم اسمبلی میں داخل ہوں گے۔ ہم اپنے
سیاسی نظریوں، مذہبوں اور دوسرے سب رجحانات و امور کو فراموش کر دیں گے۔

بابو راجندر پرشاد نے یہ بات ابھی ۱۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو کہی ہے۔ اب جناب
گاندھی جی کے ارشادات سنیئے جو انھوں نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو فرمائے ہیں:۔

- "میرے نزدیک ہندو، مسلم، پارسی، ہریجن سب برابر ہیں قائداعظم جناح کا ذکر کرتے وقت میں سطحی باتیں نہیں کر سکتا وہ میرے بھائی ہیں" فرق صرف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک (قہقہہ)
- مجھے واقعی بڑی خوشی ہوگی، اگر قائداعظم مجھے اپنی جیب میں رکھ لیں" میں واقعی نہیں سمجھ سکتا کہ ان کی اس آخری پیش کش کے متعلق کیا کہوں!
- ایک زمانہ تھا کہ میں کہہ سکتا تھا کہ ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ہے جس کا اعتماد مجھے حاصل نہ ہو۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج ایسا نہیں ہے۔"

آج انھوں نے مسلمانوں کا اعتماد کیوں کھو دیا؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں، خواتین و حضرات؟

اردو اخبارات میں جو کچھ شائع ہوتا ہے، سب میری نظر سے نہیں گزرتا
غالباً مجھ پر خوب کیچڑ اچھالی جاتی ہے۔ مجھے اس کا چنداں افسوس بھی نہیں۔
اب تک میری یہی رائے ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا۔
گاندھی جی یہ بات پچھلے بیس سال سے کہتے چلے آرہے ہیں۔
"غالباً آپ پوچھیں گے کہ اس صورت میں کشمکش کا ذکر کیوں کرتا ہوں۔ اس
لیے کہ دستور ساز اسمبلی کے لیے ایک کشمکش ہونے والی ہے"

ہندو کانگرس اور مسلمان

گویا گاندھی جی برطانیہ سے اُلجھ رہے ہیں۔ لیکن میں گاندھی جی اور کانگرس کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسی دستور ساز اسمبلی کے لیے کشمکش میں مبتلا ہیں جسے مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ اس اسمبلی میں مسلمانوں کو تین کے مقابلے میں ایک ووٹ حاصل ہوگا اور اس طرح محض سر گننے سے کوئی مفاہمت نہ ہو سکے گی، جسے مخلصانہ اور حقیقی کہا جا سکے اور جس کی بنا پر ہم دوستوں کی طرح باہمی تعاون کر سکیں۔ اسی لیے دستور ساز اسمبلی کی تجویز دوسرے اعتراضات سے قطع نظر اس وجہ سے بھی قابلِ اعتراض ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں، بلکہ دستور ساز اسمبلی کے لیے برطانیہ سے اُلجھ رہے ہیں۔
گاندھی جی کہتے ہیں۔ "میں یہ اس لیے کہ رہا ہوں کہ دستور ساز اسمبلی کے لیے ایک کشمکش ہونے والی ہے۔ اگر وہ مسلمان جو دستور ساز اسمبلی میں آئیں گے ۔۔۔ اِن الفاظ پر غور کیجئے، وہ مسلمان جو مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر آئیں گے، یہ اعلان کر دیں گے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں، تو پھر میرے پاس اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوگا کہ اُمید چھوڑ دوں، لیکن اس وقت بھی میں اُن سے اتفاق کروں گا کیوں کہ وہ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور میں نے بھی اس مقدس کتاب کا کچھ حصہ پڑھ رکھا ہے" (قہقہہ)

گویا گاندھی جی مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنے کی خاطر دستور ساز اسمبلی بنانا چاہتے ہیں اور اگر مسلمان اُن سے متفق نہیں ہوں گے تو وہ اُمید چھوڑ دیں گے، لیکن اس وقت بھی وہ ہم سے اتفاق کرلیں گے! (قہقہہ) خواتین و حضرات! میں پوچھتا ہوں، کیا مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے کی حقیقی خواہش، اگر وہ موجود ہے تو اُس کے اظہار کا یہ طریقہ ہے؟ (آوازیں: نہیں، نہیں) آخر گاندھی جی اس امر پر متفق کیوں نہیں ہو جاتے، اور میں کئی بار اُن سے کہہ چکا ہوں اور اس پلیٹ فارم سے ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ آخر وہ دیانت داری سے کیوں تسلیم نہیں کر لیتے کہ کانگرس دراصل ہندو کانگرس ہے، اور یہ کہ وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے سوائے ہندوؤں کی جماعت کے؟ آخر گاندھی جی کیوں یہ بات فخر یہ نہیں کہتے "میں ہندو ہوں اور کانگرس ہندوؤں کی جماعت ہے"؟ مجھے تو یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا کہ میں مسلمان ہوں (تالیاں اور نعرے) میں بالکل صحیح کہتا ہوں اور مجھے اُمید اور یقین ہے کہ اب تک ایک اندھے آدمی کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی پشت پناہی حاصل ہے (تالیاں) پھر یہ سب سازشیں کیوں؟ یہ سب ریشہ دوانیاں کیوں؟ مسلمانوں کو نظر انداز کر دینے کے لیے برطانیہ پر یہ طرح طرح کے دباؤ کیوں ڈالے جا رہے ہیں؟ یہ عدم تعاون کا اعلان کیوں؟ یہ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مسلمان آلفاق رائے کرتے ہیں یا اختلاف رائے، دستور ساز اسمبلی بنانے کے لیے "کشمکش" کیوں؟ (تالیاں) آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ آپ ہندو لیڈر کی حیثیت سے آئیں اور فخر یہ اپنے لوگوں کی نمائندگی کریں اور میں آپ سے مُسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے فخریہ ملاقات کروں؟ (تالیاں اور نعرے) جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے، میں بس یہی کہنا چاہتا تھا۔

حکومت برطانیہ اور مُسلمان

اور جہاں تک حکومتِ برطانیہ کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں، ابھی ہمارے مذاکرات

ختم نہیں ہوئے۔ ہم نے چند اہم نکات کے بارے میں ان سے یقین دہانی چاہی تھی۔ بہر حال ایک نکتے کے بارے میں ہم نے خاصی ترقی کی ہے، اور وہ یہ ہے آپ کو یاد ہوگا، ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے قطع نظر، ہندوستان کے آئندہ دستور کے مسئلے کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔ اس کا جواب وائسرائے نے حکومت برطانیہ کی مرضی اور توثیق سے یہ دیا ہے کہ۔۔۔۔ اور بہتر ہے کہ میں اُن کا جواب اپنے الفاظ میں پیش نہ کروں۔ اُنھوں نے ۲۳ر دسمبر کو یہ جواب بھیجا۔

"آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے ۱۲ر اکتوبر کو ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے جو اعلان کیا تھا، اس سے ایکٹ ۱۹۳۵ء کے کسی حصے یا اس پالیسی اور تجاویز کا جائزہ خارج نہیں جس پر یہ ایکٹ مبنی ہے"۔ (خارج نہیں، کے الفاظ ملاحظہ کیجئے)

جہاں تک دوسرے امور کا تعلق ہے، ہم اب تک گفت و شنید کر رہے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین یہ ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے بارے میں حکومت برطانیہ کو کوئی اعلان ہماری منظوری اور رضامندی کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے (نعرے اور تالیاں) اور یہ کہ کسی پارٹی سے کسی مسئلے کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے تاوقتیکہ اُسے ہماری منظوری اور رضامندی حاصل نہ ہو (تالیاں) بہر حال خواتین و حضرات! یہ حکومت برطانیہ کی دانشمندی پر منحصر ہے کہ وہ ہمیں یہ یقین دلانے پر رضامند ہوتی ہے یا نہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ انگریز یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارا مطالبہ جائز اور منصفانہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نو کروڑ لوگوں کے مستقبل اور اُن کی تقدیر کو کسی اور منصف کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتے۔ ہم اور صرف ہم آخری اور حتمی منصف ہیں۔ یقیناً یہ جائز مطالبہ ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں پر ایک ایسا دستور ٹھونس دے جسے اُن کی تائید اور مرضی حاصل نہ ہو جس سے وہ متفق نہ ہوں۔ اس لیے حکومت برطانیہ اگر دانشمند ہے تو وہ مسلمانوں کو یہ یقین دلائے

گی۔ اس معاملے میں ان میں اعتماد اور اطمینان پیدا کرے گی، ان کی دوستی کو حاصل کرے گی۔ لیکن وہ ایسا کریں یا نہ کریں۔ یہ ان کی مرضی ہے۔ ہمیں بہر حال، جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کرنا پڑیگا۔ میں اس فلیٹ فارم سے واشگاف الفاظ میں واضح کرتا ہوں کہ اگر کوئی عبوری سمجھوتہ ہماری مرضی اور ہماری منظوری کے بغیر کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان اس کیخلاف مزاحمت کرینگے (نعرے اور تالیاں) اس سلسلے میں انہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے

مسئلہ فلسطین

ایک اہم نکتہ فلسطین کے بارے میں تھا۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ "عربوں کے معقول قومی مطالبات کو پورا کرنے کی مخلصانہ کوششیں کی جارہی ہیں"۔ جناب والا! ہم مخلصانہ کوششوں سنجیدہ کوششوں، بہترین کوششوں سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے (قہقہہ) ہم چاہتے ہیں کہ حکومت برطانیہ فی الحقیقت اور عملی طور پر فلسطین میں عربوں کے مطالبات کو پورا کرے۔ (تالیاں)

ایک اور نکتہ فوجوں کو ہندوستان سے باہر بھیجنے سے متعلق تھا۔ اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں۔ بہر حال ہم نے اپنی پوزیشن واضح کر رکھی ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہندوستان کی فوجوں کو ہمارے اپنے ملک کے دفاع کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیئے ہم حکومت برطانیہ سے صرف یہ یقین دہانی چاہتے تھے کہ ہندوستانی فوجوں کو ——— کسی مسلمان ملک یا مسلمان طاقت کے خلاف نہیں بھیجا جائے گا۔ (تالیاں) ہمیں اُمید ہے کہ حکومت برطانیہ اس معاملے میں اپنی پوزیشن مزید واضح کرے گی۔

حکومت برطانیہ کی اس معاملے میں پوزیشن یہ ہے کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے وائسرائے سے کہا تھا کہ وہ اپنے ۲۳ر دسمبر کے مکتوب پر مکرر غور کریں اور اس سلسلے میں مجلس عاملہ کی ۳ر فروری والی قرارداد کی جانب بھی وائسرائے کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ ہمیں بتایا

گیا ہے کہ معاملے پر پوری سنجیدگی سے غور و خوض کیا جا رہا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ ہے وہ صورتِ حال جو جنگ کے بعد پیدا ہوئی اور ۳ فروری تک قائم رہی۔

مسلمان اقلیت نہیں

جہاں تک ہماری داخلی پوزیشن کا تعلق ہے، ہم برابر اس کا جائزہ لیتے رہتے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں، مشہور اور باخبر ماہرینِ قانون و دستور اور دوسرے معزز اصحاب نے جو ہندوستان کے آئندہ دستور کے مسئلے سے دلچسپی رکھتے ہیں، کئی تجاویز بھیجی ہیں۔ اب تک موصول ہونے والی تجاویز کی تفصیلات پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔ ایک بات بالکل واضح ہے۔ ہمیشہ سے غلط طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں اور یہ تصور اتنے عرصے سے رائج ہے کہ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں اور اس کے اثرات کو زائل کرنا بہت مشکل ہے۔ مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ مسلمان ہر تعریف کے اعتبار سے ایک قوم ہیں۔ برطانیہ اور بالخصوص کانگرس اسی مفروضے سے شروع کرتے ہیں، " بہرحال آپ اقلیت ہیں، آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟ ... اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں؟" جیسا کہ حال ہی میں بابو راجندر پرشاد نے کہا ہے۔ لیکن مسلمان یقینی طور پر اقلیت نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے برطانوی نقشے کے مطابق بھی ہم اس ملک کے خاصے بڑے حصوں پر قابض ہیں، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً بنگال، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان۔

لالہ لاجپت رائے کا ایک خط

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اس مسئلے کا بہترین حل کیا ہے؟

ہم اس پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ مختلف تجاویز پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ دستور کی آخری سکیم خواہ کچھ بھی ہو، میں آپ کو اپنے خیالات بتاتا ہوں۔ اپنے خیالات کی تائید میں پہلے خط پڑھ کر سناتا ہوں، جو لالہ لاجپت رائے نے سی آر داس کو بھیجا تھا یہ خط آج سے چودہ پندرہ سال پہلے لکھا گیا تھا یہ خط ایک کتاب میں شامل ہے، جو حال ہی میں کسی شخص اندر پرکاش نے شائع کرائی ہے، اور اس کتاب کی اشاعت کے بعد پہلی مرتبہ یہ خط سامنے آیا ہے۔ لالہ لاجپت رائے انتہائی ہوشیار سیاست داں اور کٹر ہندو تھے، اگر آپ ہندو ہیں تو سمجھ سکتے ہیں (قہقہہ) لفظ "قوم پرست" اب سیاست میں ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ لالہ جی نے جو کچھ فرمایا یہ ہے۔

"ایک اور بات جو مجھے عرصے سے بہت پریشان کیے ہوئے ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور وہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ۔ گزشتہ چھ ماہ کے دوران میں نے اپنا بیشتر وقت اسلامی تاریخ اور اسلامی قانون کے مطالعے میں صرف کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اتحاد نہ ممکن ہے اور نہ قابل عمل۔ اس امر کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ عدم تعاون کی تحریک میں مسلمان لیڈروں نے صدق دل سے حصہ لیا میں سمجھتا ہوں کہ ان کا مذہب اتحاد کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔

آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے کلکتے میں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو سے اپنی ملاقاتوں کا حال آپ کو سنایا تھا۔ ہندوستان میں حکیم اجمل خاں سے بہتر اور نفیس مسلمان نہیں۔ لیکن کیا کوئی مسلمان لیڈر قرآن کو پس پشت ڈال سکتا ہے؟ بس میں تو یہی سمجھ سکتا ہوں کہ اسلامی قانون کا میرا مطالعہ ناقص اور غلط ہے" میرا خیال ہے کہ لالہ جی کا مطالعہ بالکل درست اور صحیح ہے (قہقہہ)

"اور اگر مجھے اطمینان ہو سکتا ہے تو اسی خیال سے کہ میں ہی غلطی پر ہوں لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگرچہ ہم انگریزوں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں، لیکن ہم برطانوی خطوط پر ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے متحد نہیں ہو سکتے۔ جمہوری خطوط پر ہندوستان پر حکمرانی کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہو سکتا۔"

خواتین و حضرات! جب لالہ لاجپت رائے نے کہا تھا کہ ہم متحد ہو کر جمہوری خطوط پر اس ملک پر حکومت نہیں کر سکتے تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ کسی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا۔ لیکن جب میں نے اٹھارہ ماہ پیشتر یہی حقیقت بے باکی سے کہہ دی تو مجھ پر اعتراضات اور نکتہ چینیوں کی بوچھاڑ ——— کی گئی، لیکن لالہ لاجپت رائے نے تو یہ بات کو ہم جمہوری خطوط پر ہندوستان پر حکومت نہیں کر سکتے، پندرہ سال پہلے کہی تھی۔ پھر آخر اس کا حل کیا ہے؛ کانگرس کے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ ہمیں اقلیت کی حیثیت سے اکثریت کے اقتدار میں رکھا جائے۔ لالہ لاجپت رائے نے اسی خط میں مزید لکھا ہے۔

"آخر اس کا حل کیا ہے؛ میں سات کروڑ مسلمانوں سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ سات کروڑ یہ ہندوستان کے مسلمان اور افغانستان، وسطی ایشیا عرب، عراق، شام اور ترکی کے مسلح مسلمان مل کر ناقابلِ مزاحمت ہو جائیں گے۔

میں ایمانداری اور صدقِ دلی سے چاہتا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد ہونا چاہیئے۔ اس کی ضرورت و اہمیت سے بھی واقف ہوں۔ میں مسلمان لیڈروں پر اعتماد کرنے کے لیے پوری طرح تیار بھی ہوں۔ لیکن قرآن اور حدیث کے احکام کا میں کیا کروں؛ مسلمان رہنما ان کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ تو پھر کیا تباہی ہماری قسمت میں لکھی جا چکی ہے: مجھے اُمید ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے آپ اپنی دانائی اور دانشمندی سے کوئی راہ نکالیں گے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات

خواتین و حضرات! یہ محض ایک خط ہے جو پندرہ برس پہلے لکھا گیا تھا۔ اب میں موجودہ حالات کے مطابق زیرِ بحث موضوع پر اپنے خیالات آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ حکومتِ برطانیہ اور پارلیمنٹ اور ان سے کہیں زیادہ انگریز قوم نے ہندوستان کے مستقبل اور آئین کے بارے میں برس ہا برس سے چند طے شدہ تصورات کے تحت پرورش پائی ہے۔ یہ تصورات مبنی ہیں اُن تبدیلیوں پر، جو اُن کے اپنے ملک میں واقع ہوتی رہی ہیں اور جن کے زیرِ اثر برطانوی آئین کی تشکیل ہوئی ہے جو اب پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور نظام کابینہ کے ذریعے وہاں چل رہا ہے سیاست کی مختلف سطحوں کو جماعتی حکومت کا تصور اُن کا نصب العین بن چکا ہے۔ جماعتی حکومت کو وہ بہترین طرزِ حکومت سمجھتے ہیں۔ اپنے ہی لیے نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک کے لیے۔ اس یک طرفہ مگر مضبوط پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ (جس سے انگریز قدرتی طور پر بہت متاثر ہوتا ہے) کہ انھوں نے وہ آئین نافذ کرنے کی شدید غلطی کی ہے، جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں شامل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے ممتاز اور سربرآوردہ سیاستدان بھی، جو ان تصورات کے حامل ہیں، اپنے بیانات و اعلانات میں برملا اس اُمید کا اظہار کرتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مخالف اور متضاد عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہوتی جائے گی۔

"لندن ٹائمز" جیسا سنجیدہ اور ممتاز اخبار بھی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ بلاشبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات مذہب کے نہیں (اس لفظ کے اصلی معنوں میں) بلکہ قانون اور ثقافت کے بھی ہیں۔ جن کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں کہ الگ الگ نمائندگی کرتے ہیں۔ بہر حال وقت گزرنے کے

ساتھ ساتھ اوہام ختم ہو جائیں گے اور ہندوستان میں ایک واحد قوم ابھر آئے گی۔" گویا لندن ٹائمز" کے نزدیک اصل مشکلات" اوہام "کی ہیں۔ ان بنیادی اور گہرے روحانی معاشی معاشرتی اور سیاسی اختلافات کو محض اوہام سمجھا گیا ہے۔ لیکن یقیناً یہ رویہ برعظیم ہندوستان کی گزشتہ تاریخ اور اسلام اور ہندومت کے بنیادی نظریۂ معاشرت کے بارے میں ناواقفیت یا بے توجہی کے مترادف ہے۔ ایک ہزار سال کے قریبی روابط کے باوجود دونوں قومیں آج بھی ایک دوسرے سے جُدا ہیں اور کبھی ایک جمہوری آئین دونوں پر مسلط کر دینے اور برطانوی پارلیمانی آئین کے غیر قدرتی اور مصنوعی طریقے نافذ کر دینے سے ایک واحد قوم کی تشکیل نہ ہو سکے گی۔ ہندوستان کی ڈیڑھ سو سالہ وحدانی حکومت جو نتائج حاصل نہ کر سکی وہ مرکزی وفاقی حکومت کے نفاذ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس طریقے سے بنائی ہوئی حکومت کا کوئی فرمان یا حکم برعظیم میں پھیلی ہوئی مختلف قوموں سے ان کی رضامندی، وفاداری اور اطاعت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر مسلح افواج اس کی پشت پر ہوں تو دوسری بات ہے۔

تقسیم ناگزیر ہے

ہندوستان کا مسئلہ فرقہ وارانہ نوعیت کا نہیں، بلکہ مکمل طور پر بین الاقوامی ہے اور اس کو اسی لحاظ سے حل کرنا چاہیئے۔ جب تک اس بنیادی اور اساسی حقیقت کو پیش نظر نہ رکھا جائے، جو دستور بھی بنایا جائے گا وہ چل نہیں سکے گا اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لیے بھی تباہ کن اور مضر ثابت ہوگا۔ اگر حکومت برطانیہ کی یہ سچی اور مخلصانہ خواہش ہے کہ اس برعظیم کے لوگوں کے لیے امن اور خوشحالی لائے تو ہم سب کے لیے اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کو خود مختار قومی ریاستوں میں تقسیم کر کے بڑی بڑی قوموں کو اپنے اپنے جداگانہ وطن بنانے دیے جائیں۔ اس کی کوئی

وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ قومی ریاستیں باہم مخاصمت رکھیں۔ اس کے برعکس ملک کی حکومت میں ایک دوسرے پر سیاسی برتری جمانے، ایک دوسرے کے معاشرتی نظام پر چھا جانے کی قدرتی خواہش اور کوششیں اور موجودہ باہمی مخاصمت ختم ہو جائے گی۔ ان قومی ریاستوں میں مشترکہ بین الاقوامی ماضی کی وجہ سے قدرتی طور پر خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ وہ اچھے پڑوسیوں کی طرح مکمل ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکیں گی۔ اس طرح اقلیتوں کے بارے میں مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان (یعنی بھارت) کے درمیان دو طرفہ انتظام و مطابقت سے دوستانہ معاہدے بڑی آسانی سے ہو سکیں گے۔ دوستانہ معاہدوں سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا بہتر اور مؤثر تحفظ ہو سکے گا۔

جُداگانہ معاشرتی نظام

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندو دھرم کی جُداگانہ نوعیت و ماہیت کو سمجھنے سے قاصر کیوں رہتے ہیں۔ اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت مختلف اور جُداگانہ معاشرتی نظام ہیں۔ یہ محض ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ متحدہ ہندوستانی قوم کا غلط تصور حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ یہی ہماری بہت سی مشکلات اور مسائل کی اصل جڑ ہے اور اگر ہم نے بروقت اپنے تصورات میں اصلاح نہ کی تو ہندوستان تباہ ہو جائے گا۔ ہندو اور مسلمان مختلف مذہبوں، فلسفوں، معاشرتی نظاموں اور ادبیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بالکل مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں جن کی بنیاد ایسے افکار و تصورات پر ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم رہتے ہیں۔ ان کا نظریہ حیات مختلف ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمنائیں اور آرزوئیں تاریخ کے مختلف سرچشموں سے اخذ کرتے ہیں۔ ان کی مثنویاں مختلف ، ان کے

ہیرو مختلف، ان کے قصے کہانیاں مختلف اکثر اوقات ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کا دشمن ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو جُدا گانہ قوموں کو ایک ہی ریاست کے تحت زبردستی متحد کرنے سے، جب کہ عددی اکثریت اور اقلیت کا بھی خاصا فرق ہے، لازماً بے اطمینانی پیدا ہوگی اور ہر وہ آئینی ڈھانچا بالآخر تباہ ہو کر رہ جائے گا جو ایسی ریاست کے لیے بنایا جائے گا۔

موجودہ مصنوعی اتحاد

تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ہیں کہ قومی ضروریات کے باعث ملک تقسیم ہُوا، مثلاً برطانیہ اور آئرلینڈ، چیکو سلاواکیہ اور پولینڈ۔ تاریخ نے ہمیں برعظیم ہندوستان سے کہیں چھوٹے ایسے جغرافیائی خطے بھی دکھائے ہیں، جو اگرچہ ایک ہی ملک کہلاتے تھے، مگر جن کو اتنی ہی ریاستوں میں تقسیم کیا گیا۔ جتنی قومیں وہاں آباد تھیں۔ مثلاً جزیرہ نمائے بلقان میں سات، آٹھ خود مختار ریاستیں ہیں۔ اسی طرح جزیرہ نما آئبیریا سپین اور پرتگال میں منقسم ہے، جب کہ ہمارے ہاں ایک قوم اور ایک ہندوستان کے نام پر، جو فی الحقیقت وجود نہیں رکھتے، ایک مرکزی حکومت کے خطِ مستقیم پر چلنے کی راہ تلاش کی جاتی ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ بارہ سو سال کی تاریخ ان دو قوموں میں اتحاد پیدا کرنے سے قاصر رہی ہے۔ مختلف ادوار میں ہندوستان، ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کی صورت میں ہمیشہ منقسم رہا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ مصنوعی اتحاد کا آغاز انگریزوں کے تسلط سے ہوا تھا اور برقرار ہے تو انگریزی سنگینوں کے باعث لیکن جب انگریزوں کا اقتدار ختم ہو جائے گا، جیسا کہ ملک معظم کی حکومت کے تازہ اعلان سے ظاہر ہوتا ہے، تو اتحاد کی یہ عمارت فوراً منہدم ہو جائے گی اور اتنی زبردست تباہی آئے گی کہ اس کی مثال مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ حکومت میں کہیں نہیں ملتی،

یقیناً برطانیہ اپنی ڈیڑھ سو سالہ حکمرانی کے بعد ہندوستان کو یہ تباہی میراث کے طور پر نہیں دے گا اور نہ ہندو اور مسلمان ایسی یقینی تباہی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں گے۔

"اسلام میں انتہائی عزیز"

مُسلم ہندوستان کسی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتا جس کا لازمی نتیجہ ہندو اکثریت کی حکومت کی صورت میں نکلے۔ ایک ایسے جمہوری نظام کا مطلب صرف "ہندو راج" ہی ہو سکتا ہے جو اقلیتوں پر زبردستی ٹھونس دیا گیا ہو اور جس کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو زبردستی اکٹھا کیا گیا ہو۔ اس قسم کی جمہوریت، جو کانگرس ہائی کمان کو دل و جان سے عزیز ہے۔ اس چیز کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دے گی جو اسلام میں انتہائی عزیز ہے۔ ہمیں گزشتہ ڈھائی سال کے دوران صوبائی دستوروں پر عملدرآمد کا اچھا خاصا تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس قسم کی جابرانہ حکومت کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہاں خانہ جنگی ہو اور پرائیویٹ فوجیں بنائی جائیں جن کی سفارش گاندھی جی نے سکھر کے ہندوؤں سے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہیں تشدد سے یا عدم تشدد سے اپنا بچاؤ کرنا چاہیئے۔ "مکے" کا بدلہ "مکے" سے دیا جائے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو انہیں یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیئے۔

مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں

جیسا کہ عام طور پر سوچا سمجھا جاتا ہے، مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ اس کی توثیق کے لیے فقط اپنے چاروں طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آج بھی ہندوستان کے برطانوی نقشے کے مطابق گیارہ میں سے چار صوبوں میں، جہاں مسلمانوں کا کم و بیش

غلبہ ہے، خوب عملدرآمد ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود کہ ہندو کانگرس ہائی کمان نے نے عدم تعاون اور سول نافرمانی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ لفظ "قوم" کی ہر تعریف کی رُو سے مُسلمان ایک قوم ہیں اور اس لحاظ سے اُن کا اپنا علیحدہ وطن، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہونی چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنی روحانی، ثقافتی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو اس طریق پہ زیادہ سے زیادہ ترقی دیں جو ہمارے نزدیک بہترین ہو اور جو ہمارے نصب العین سے ہم آہنگ اور ہماری قوم کے مزاج کے مطابق ہو۔ ہمارے کروڑوں لوگوں کے بنیادی مفادات ہم پہ یہ مقدس فرض عائد کرتے ہیں اور یہ ایمانداری کا بھی تقاضا ہے کہ ایک باوقار اور پُرامن حل دریافت کیا جائے، جو سب کے لیے منصفانہ ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ہمیں دھمکیوں اور تشدد آمیز نعروں سے اپنے مقصد اور نصب العین سے منحرف نہیں کیا جا سکتا، ہمیں ہر قسم کی مشکلات، ہر طرح کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہم نے اپنے سامنے جو نصب العین رکھا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت آمادہ اور مُستعد رہنا چاہیے۔

مسلمان دانشور کیا سوچ رہے ہیں؟

خواتین و حضرات! یہ ہے کام جو ہمیں انجام دینا ہے۔ میرا خیال ہے، میری تقریر خاصی لمبی ہو گئی ہے اور میں نے مقررہ وقت سے زیادہ لے لیا ہے۔ کئی باتیں ہیں جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں نے ایک کتابچہ حال ہی میں چھپوایا ہے جس میں یہ سب باتیں آ گئی ہیں یہ کتابچہ آپ کو انگریزی اور اُردو میں بآسانی مسلم لیگ کے دفتر سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمارے مقاصد آپ پہ پوری طرح روشن

ہو جائیں گے۔ اس میں مسلم لیگ کی بہت اہم قرار دادیں اور دیگر اعلامات شامل ہیں بہر حال میں نے تفصیل سے وہ کام، وہ فریضہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے جو ہم سب کو انجام دینا ہے۔ کیا آپ کو یہ احساس ہے یہ کام کتنا عظیم اور کٹھن ہے؟ کیا آپ کو احساس ہو گیا ہے، آپ آزادی محض دلیلوں کے بل پر حاصل نہیں کر سکتے؟ میں دانشوروں سے اپیل کرونگا۔ دنیا کے تمام ممالک میں دانشور آزادی کی تحریکوں کے رہنما اور علمبردار ہوتے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ مسلمان دانشور کیا سوچ رہے ہیں، وہ کیا کرنے کا عزم باندھ رہے ہیں؟ میں کہتا ہوں جب تک آپ اپنے نصب العین کو اپنے خون میں رچا بسا نہیں لیتے، جب تک آپ اپنی تمام آسائشیں ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے، جب تک آپ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوں گے، جب تک آپ اپنے لوگوں کے لیے بے غرضانہ، مخلصانہ اور صدق دلانہ کام کرنے کے لیے مستعد نہ ہوں گے، اس وقت تک آپکو کبھی احساس ہو گا نہ آپ اپنے نصب العین کو پہچان سکیں گے۔ دوستو! اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ قطعی طور پر ارادہ کر لیجئے۔ پھر تدبیریں سوچیے، اپنے لوگوں کو منظم کیجئے، اپنی جماعت کو طاقتور بنائیے اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کیجئے۔ میں دیکھتا ہوں، لوگ بیدار ہو چکے ہیں انہیں صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے۔ اسلام کے جاں نثار فرزندوں کی طرح آگے نکل آئیے بڑھیے۔ اپنے لوگوں کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیجئے۔ تب مجھے یقین ہے کہ آپ ایک ایسی قوت بن جائیں گے۔ جسے دوسروں کے لیے قبول کرنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ ہو گا۔
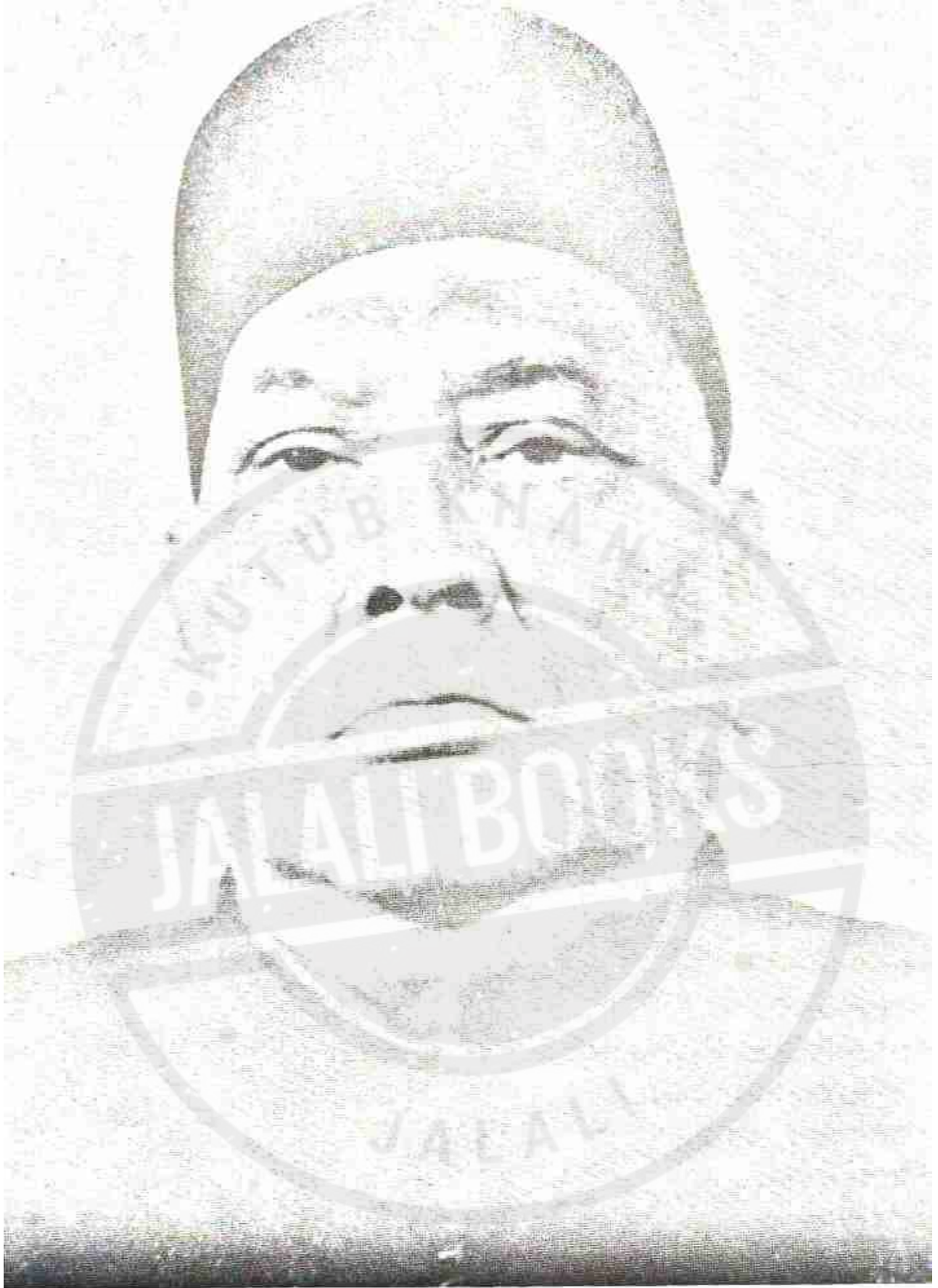
شیرِ بنگال مولوی فضل الحق
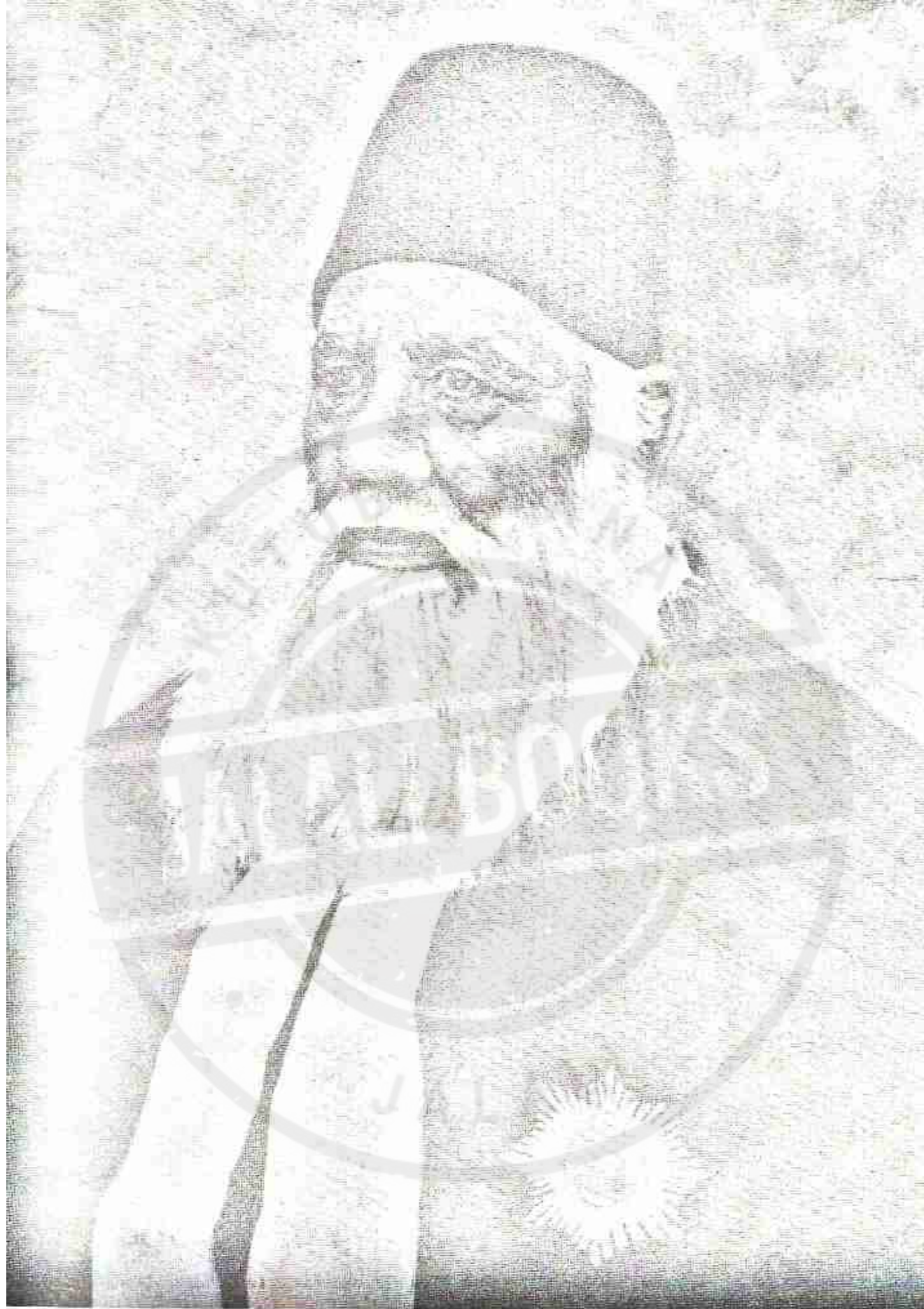
سرسید احمد خاں

نواب سراج الدّولہ

مولانا محمد علی جوہر

مولانا شوکت علی

نواب سر سلیم اللہ بہادر آف ڈھاکہ

قرارداد پاکستان

جناب مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی جو

قرارداد لاہور کے نام سے مشہور ہے اور بعدازاں جو قرارداد پاکستان کہلائی

قرارداد

کل ہند مسلم لیگ کی کاؤنسل اور مجلس عاملہ کے اقدام جو کہ آئینی مسئلہ سے متعلق ہے جس کی نشاندہی ۲۷ اگست، ۱۷ اور ۱۸ ستمبر ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳ فروری ۱۹۴۰ء کی قراردادوں میں کی گئی ہے اس کی منظوری دیتے ہوئے اور تصدیق کرتے ہوئے کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس وفاق کے اس منصوبے کی جو کہ حکومت ہند کے ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کا ایک حصہ ہے۔ پرزور طریقہ سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس ملک کے مخصوص حالات میں وہ مکمل طور پر غیر موزوں اور ناقابل عمل ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے پوری طرح سے ناقابل قبول ہے۔

مزید براں یہ اجلاس اس خیال کا اظہار اور بھی پرزور انداز میں کرتا ہے کیونکہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کا وائسرائے ہند کا اعلان جو کہ حکومت کی جانب سے تھا اس امر کی یقین دہانی کراتا ہے کہ یہ حکمت عملی اور منصوبہ جو حکومت ہند کے ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء پر مبنی ہے اس پر ہندوستان کی مختلف جماعتوں مکتبۂ فکر، اور قومیتوں سے تبادلہ خیال کے بعد مزید غور کیا جائے گا۔ ہندوستان کے مسلمان اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس آئینی منصوبے پر از سر نو غور نہ کیا جائے اور اسے مکمل طور پر تبدیل نہ کیا جائے۔ مزید براں یہ کہ کوئی متبادل آئینی منصوبہ مسلمانانِ ہند کے لیے اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ ان کی رضامندی اور منظوری سے نہ بنایا جائیگا۔

قرار پایا کہ غور و خوص کے بعد کل ہند مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ بغیر اس کے اس ملک میں قابل عمل اور مسلمانوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوگا کہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔ یعنی یہ کہ حد بندی کرکے اور ملکی تقسیم کے اعتبار سے حسبِ ضرورت رد و بدل کرکے متصل واحدوں کو ایسے منطقے بنا دیا جائے کہ وہ علاقے جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد اکثریت ہیں جیسے ہندوستان کے شمالی و مغربی اور مشرقی منطقوں میں اس طرح یکجا ہو جائیں کہ وہ ایسی خود مختار ریاستیں بنیں جن کے واحد اندرونی طور پر با اختیار اور خود مختار ہوں۔ یہ کہ ان واحدوں میں اور ان علاقوں میں اقلیتوں کے لیے ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیے ان کے مشورے سے بقدرِ ضرورت مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور کے اندر مہیا کیے جائیں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں حسبِ ضرورت مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات ان کے اور دوسری اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لیے ان کے مشورے سے معین طور پر دستور کے اندر

رکھے جائیں۔

۵۔ یہ اجلاس مجلس عاملہ کو یہ مزید اختیار دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق دستور کی ایسی اسکیم مرتب کرے جس میں اس کا انتظام ہو کہ یہ جداگانہ علاقے ایسے تمام اختیارات لے سکیں جیسے دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل کروڑ گیری (کسٹمس) اور دوسرے امور جو ضروری ہوں۔"

قرارداد کو پیش کرتے ہوئے جناب مولوی فضل الحق نے کہا۔ "ہم نے مبینہ طور پر نہایت واضح انداز میں بتا دیا ہے کہ ہم وفاق کے اس نظریے میں محض معمولی پیوند کاری یا تبدیلی نہیں چاہتے بلکہ اسے مکمل طور پر تبدیل کرانا چاہتے ہیں تاکہ وفاق کا یہ نظریہ پوری طرح سے ختم ہو جائے۔ وفاق کے اس نظریے کو ملتوی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اُسے یکسر ختم ہو جانا چاہیئے۔ متعدد موقعوں پر مسلم لیگ کے فلیٹ فارم اور گذشتہ دن بنگال قانون ساز اسمبلی سے بھی میں نے نہایت واضح اور پر زور انداز میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایسے کسی منصوبے کو قبول نہیں کریں گے جسے ان کے مشورے اور رضامندی کے بغیر مرتب کیا جائے گا۔ ہم ایسے کسی بھی آئین کو پوری طرح سے ناقابل عمل بنا دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ جو ہندوستان کے مستقبل کا آئین تیار کریں گے وہ مسلمانوں کے احساسات کو ذہن میں رکھیں گے اور ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جس پر بعد میں انہیں پچھتانا پڑے۔ ہم نے اپنی حیثیت کو پوری طرح سے واضح کر دیا ہے۔ مسئلہ بڑا آسان ہے۔ اس وقت ہندوستان کے طول و عرض میں آٹھ کروڑ مسلمان پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بڑی تعداد ہے۔ مگر حقیقت میں عددی لحاظ سے مسلمان ہندوستان کے ہر صوبے میں کمزور حالت میں ہیں پنجاب اور بنگال میں ہم مؤثر اکثریت میں ہیں مگر دوسری جگہوں پر بہت زیادہ معمولی اقلیت میں ہیں۔ حالت یہ ہے کہ آئین خواہ کیسا ہی ہو۔ مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچے گا جیسا

کہ پچھلے تین برسوں میں انہوں نے صوبائی خود مختاری کے باعث نقصان اٹھایا ہے۔

مولوی فضل الحق نے مولانا ابو الکلام آزاد کے خطبہ صدارت کو جو انہوں نے کانگرس کے اجلاس میں دیا تھا۔ انہوں نے اسے غیر اسلامی احساسات سے تعبیر کیا کہ مسلمانوں کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ۸ کروڑ کی تعداد کم نہیں ہوتی لہٰذا انہیں خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ مولوی فضل الحق نے کہا کہ اگر ان ۸ کروڑ مسلمانوں کا ایک بڑا اور مناسب حصہ کسی ایک صوبے میں ہوتا تو ہمیں ڈرنے کی واقعی ضرورت نہ تھی۔ "ہم جس طرح منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں اسی سے ہمارا سیاسی حریف فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہمارے دوستوں کو یاد ہوگا کہ پنجاب اور بنگال تک میں بھی ہماری حیثیت بہت زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ قانون ساز اسمبلیوں میں ہم اتنی بھاری اکثریت میں نہیں ہیں۔ ہمیں وہاں دوسری جماعتوں اور اقلیتوں کی مدد درکار ہوتی ہے جب کہیں جا کر ہم مخلوط حکومتیں بنانے کے قابل ہوتے ہیں جو کہ قانون سازوں کی نظر میں کمزور ترین حکومت تصور کی جاتی ہے۔ جہاں تک دوسرے صوبوں کا تعلق ہے۔ وہاں ہماری حالت بہت ہی نازک ہے اور وہاں ہم اکثریت کے رحم و کرم پر ہیں۔ لہٰذا جب تک کہ مسلمانوں کی آبادی کے اس غیر مساوی تقسیم کا کوئی خاطر خواہ حل تلاش نہ کر لیا جائے اس وقت تک آئینی تحفظات کی بات کرنا قطعی بے معنی ہے۔ میں پوری سنجیدگی سے اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ متحد رہیں۔ خاموشی اور سنجیدگی سے اپنے فیصلے کا اظہار کریں اور یہ یاد رکھیں کہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے اور کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرنا ہے۔ یہ ہندوستان میں رہنے والے ہر مسلمان کا اپنا نجی معاملہ ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی نہیں ہے۔"

جناب مولوی فضل الحق نے حاضرین جلسہ سے درخواست کی کہ ان کی قرارداد کو منظور کریں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس کا نتیجہ بہتر نکلے گا۔

قرارداد کی تائید کرتے ہوئے جناب چودھری خلیق الزمان نے کہا۔ کہ آپ لوگوں کو ان امور اور حالات پر غور کرنا چاہیئے جنہوں نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملک کے مطالبہ پر مجبور کیا ہے کہ ان کی الگ حکومت ہو جہاں وہ اکثریت میں ہوں۔ اوّلاً اس مطالبہ کی ذمہ داری انگریزوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے ہندوستانیوں کے استحصال کی غرض سے ہندوستانیوں کو ایک قوم کہا اور پھر اکثریت اور اقلیت کے سوالات اٹھائے۔ اس پروپیگنڈے کا انہوں نے زبردست طوفان کھڑا کر دیا اور یوں یہ سوال اصل مسئلہ بن گیا جب کہ حقیقت میں اس سوال کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

حکومتِ برطانیہ کے بعد اس مطالبہ علیحدگی کی ذمہ دار کانگرس اور یہاں کی اکثریتی قوم ہے۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی رو سے کانگرس کی حکومتوں نے گذشتہ تین برسوں میں اپنے صوبوں میں جس عمل اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے اس علیحدگی کے سوال کو بالکل ہی طے کر کے رکھ دیا ہے۔

ان صوبوں میں اکثریت نے جو سلوک اقلیتوں کے ساتھ کیا ہے اسے یہاں بیان کرنا بے کار ہے۔ مسلمانوں کو اب اس امر کا احساس بخوبی ہو گیا ہے کہ ان کا وجود خطرے میں ہے لہٰذا اگر انہیں اپنے تشخص کو برقرار رکھنا ہے تو انہیں اس کے لیے جدوجہد کرنی ہو گی اس علیحدگی کی تیسری اور آخری ذمہ داری ان مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے مخالف جماعتوں کی تشکیل کی اور کانگرس یا دوسری غیر مسلم سیاسی جماعتوں سے الحاق کیا۔ جناب چودھری خلیق الزماں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں کہ مسلمان یہاں کافی مضبوط ہیں لہٰذا انہیں علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ ان مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق پامال کئے۔ کیونکہ وہ نہ صرف موجودہ نسل کو دھوکہ دے رہے ہیں بلکہ یہ لوگ

آنے والی نسل سے بھی فریب کر رہے ہیں۔ اگر کانگرس ان مسلمان کانگرس لیڈروں کی ہدایت پر عمل کرتی رہی تو یقیناً ہندوستان میں خانہ جنگی ہو کر رہے گی۔

قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے کہا کہ آج یہاں بولتے ہوئے وہ یوں محسوس کر رہے ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہندوستان میں بول رہے ہوں۔ ایک لمبی مدت تک وہ ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کرتے رہے۔ وہ سالوں تک کانگرس میں رہے اس تمام عرصے انہوں نے محسوس کیا کہ کانگرس آزادی حاصل کرنے کی ذرا متمنی نہیں ہے بلکہ وہ صرف اقلیتوں کو دبانا چاہتی ہے۔ کانگرس کو یہ بلند اور ارفع مقام مسلمانوں کی ماضی کی مدد کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ مگر اب کانگرس نے مسلمانوں کے ساتھ لاتعلقی کا رویہ اپنا لیا ہے۔ وہ اور ان کے مکتبہ فکر کے دوسرے لوگ یہ تنقید کیا کرتے تھے کہ مسلم لیگ کوئی تعمیری کام نہیں کر رہی ہے کانگریس کی تجویز کردہ دستور ساز اسمبلی کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے پرزور لہجہ میں کہا کہ ہم کسی ایسے دستور اور آئین کو منظور نہیں کریں گے جسے ہندوستانی مسلمانوں کی رضامندی اور منظوری حاصل نہ ہو۔

جناب سردار اورنگ زیب خان صوبہ سرحد اسمبلی کے حزب مخالف کے لیڈر نے کہا کہ یہ ان کے لیے ایک اعزاز کی بات ہے کہ وہ شیر بنگال کی پیش کردہ قرارداد کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس پر خاموشی اور غیر جذباتی ہو کر غور کرنا چاہیئے۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو مبارک باد دی جو ہندو صوبوں میں رہتے ہیں اور قرارداد کی حمایت کر رہے ہیں جو چھ کروڑ مسلمانوں کے لیے آزادی لائے گی۔ صوبہ سرحد کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کا صوبہ ہندوستان کے لیے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان مسلمانوں کے لیے جو ہندو اکثریت کے صوبوں میں رہتے ہیں ہم اپنے ان ہم مذہبوں کے لیے ہر وقت سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہیں۔ مقرر نے اظہار خیال کیا کہ مسلمانوں کو ایک اقلیت قرار دینا حماقت

ہے جب کہ ہندوستان کے چار صوبوں میں وہ اکثریت میں ہیں۔ آخر میں سردار اورنگ زیب خاں نے کہا "ہم برطانوی جمہوریت نہیں چاہتے جو سروں کی گنتی کے ماسوا کچھ نہیں ہے۔ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ ہمیں مسلم قوم کے لیے ایک گوشہ عافیت چاہیئے۔ اس "گھر" اور گوشہ عافیت کی نشاندہی اس قرارداد میں کر دی گئی ہے۔"

سر عبداللہ ہارون نے فرمایا کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان ہندوستان میں سندھ کے راستے آئے ہیں۔ سندھ کے مسلمانوں کا اس سوال سے سب سے پہلے سابقہ پڑا ہے جو سوال آج مسلم لیگ کے سامنے ہے۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ نے ایک قرارداد پاس کی تھی کہ آزاد ریاستیں شمال مغرب اور ہندوستان کے مشرق میں قائم کی جائیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک متعدد آئینی سکیمیں تیار کی گئیں ان کا جائزہ سرکردہ لیڈروں نے لیا۔ لہٰذا اب مسلمانوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس قرارداد کو منظور کیا جائے۔ سر عبداللہ ہارون نے ہندوؤں کو خبردار کیا کہ اگر مسلمانوں کے ساتھ ہندو اکثریتی صوبوں میں مناسب سلوک روا نہ رکھا گیا تو مسلمان اکثریتی صوبوں میں بھی ہندوؤں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ ہٹلر نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ فاضل مقرر نے اس امر کی توقع کی کہ جو تجویز اس قرارداد میں پیش کی گئی ہے وہ ہندو اور برطانوی حکومت دونوں کے لیے قابل ہوگی۔ کیونکہ اس سنگین مسئلہ کا اس سے بہتر اور کوئی حل نہیں ہے۔

نماز کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا اجلاس اتوار کی صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

تیسرا دن

تیسرے دن مسلم لیگ کی نشست صبح گیارہ بجے شروع ہوئی۔ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اعلان کیا کہ قائداعظم کچھ تاخیر سے

تشریف لائیں گے مگر جلسہ کی کارروائی شروع کر دینے کی انہوں نے ہدایت کی ہے لہٰذا صدارت کے لیے نواب ممدوٹ کو منتخب کیا گیا اور تلاوت قرآن پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ جنرل سیکرٹری نے اعلان کیا کہ ایک اور کھلا اجلاس آج ہی رات کو ساڑھے نو بجے ہو گا۔ بعد ازاں قرارداد اور آئینی مسئلہ پر بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اسی دوران قائداعظم تشریف لے آئے اور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔

خان بہادر نواب محمد اسماعیل خان بہار مسلم لیگ کے صدر نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا تعلق ایک مسلم اقلیتی صوبے سے ہے جہاں مسلمانوں کو آزادی تقریر نہیں ہے۔ اس اجلاس میں، جو کہ ایک آزاد علاقے میں منعقد ہو رہا ہے تو انہیں آزادی سے بولنے میں بڑا لطف آ رہا ہے۔ انہوں نے مسلم اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے حقوق سلب کئے جانے کے موقع پر جو مدد کا وعدہ کیا ہے اس کے لیے وہ بے حد مشکور ہیں۔ انہوں نے کہا ویسے مجھے اپنے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی اہلیت اور صلاحیت پر پورا پورا یقین ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنا دفاع بخوبی کر سکیں گے۔ مولانا آزاد کے خطبہ صدارت کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ کانگریس سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ مولانا آزاد کی آواز مسلمانوں کی آواز نہیں ہے۔ وہ صرف جناح صاحب کی ذات ہے جو کل ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جناب محمد عیسیٰ خان نے اپنے ہم مذہبوں کو اس امر کی یقین دہانی کرائی جن کا تعلق ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم مسلم اکثریتی صوبوں میں آزادی حاصل کر لیں گے تو آپ لوگوں کو کسی بھی طرح فراموش نہیں کریں گے اور ہم ہر اس مدد کے لیے تیار رہیں گے جو ہمارے بس میں ہو گی۔ انہوں نے حاضرین

کو یاد دلایا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی طرح ہم بلوچستان کے مسلمان بھی ہندوستان کے دروازے کے محافظ ہیں جیسے کہ انہوں نے درہ بولان کی حفاظت کی ہے۔ ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ ہمارے مسلمان بھائی جو اقلیتی صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں بجا طور پر ہم سے اچھی اور نیک امیدیں وابستہ کر سکتے ہیں۔

جناب عبدالحامد خاں مدراس اسمبلی کے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر نے اعلان کیا کہ کل ہند مسلم لیگ گزشتہ چار برسوں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس جدوجہد میں انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا ہے اس امید میں کہ یہ آزادی ہر ہندوستانی کے لیے ہوگی۔ مگر ان کے اس یقین کو کانگریسی ڈھائی سالہ حکومت کے دور نے جو گیارہ میں سے سات صوبوں میں تھا اپنے طرز عمل سے پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ جناب عبدالحامد نے ان صوبائی کانگریسی حکومتوں کا شکریہ ادا کیا جن کی وجہ سے مسلمان بیدار ہوئے اور ہر صوبے میں مسلم لیگ کی تنظیم عمل میں آئی۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ جب لیگ نیا آئین تیار کرے گی تو مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے پوری طرح صلاح و مشورہ کیا جائے۔

جناب اسماعیل چندریگر بمبئی اسمبلی کے مسلم لیگ کے ڈپٹی لیڈر نے اعلان کیا کہ کل ہندوستان کے ایک وفاق میں ہندوستان کے مسلمان ایک مایوس اقلیت ہو کر رہ جائیں گے اس لیے انہیں یہ قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔ انہوں نے اس خیال کی تائید کی کہ اس قرارداد کی تجویز ہر لحاظ سے نہایت منصفانہ ہے۔ مسلمانان کسی بھی حالت میں اس امر کے لیے تیار نہیں ہو سکتے کہ وہ کانگرس کی تجویز کردہ دستور ساز اسمبلی کی حمایت کریں جہاں مسلمان ایک اور تین کی نسبت سے ایک اقلیت ہو کر رہ جائیں گے۔ انہوں نے راج کوٹ تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر کو یاد دلایا کہ گاندھی جی

نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا کہ اس کمیٹی میں دو مسلمانوں کو لیا جائے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ پرجا پریشد کے ممبروں کے ساتھ ووٹ دیں۔ یہ کس قسم کی آزادی ہے جو کانگرس مسلمانوں کو دینا چاہتی ہے؟

جناب سید عبدالرؤف شاہ سی۔ پی مسلم لیگ کے صدر نے کہا کہ ان کا تعلق اس صوبے سے ہے جو کانگرس کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکا ہے کانگریسی وزارت کے ظلم وستم کے باوجود مسلمانوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اپنے ہم مذہبوں سے کہا کہ وہ مسلم اقلیتی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کی فکر نہ کریں۔ وہ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ ایک دن آئے گا جب وہ بھی مسلم اکثریتی صوبوں میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کی طرح آزاد ہونگے۔

جناب ڈاکٹر محمد عالم جنہوں نے حال ہی میں کانگریس سے استعفےٰ دیا تھا۔ جب وہ قرارداد کی حمایت میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان کا استقبال بڑے جوش وخروش اور نعرہ ہائے تحسین کے ساتھ کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس قرارداد میں جو تجویز پیش کی گئی ہے وہ کبھی محض ایک خواب تھی، لیکن اب انہیں یقین ہے کہ وہ ایک حقیقت کا روپ دھارے گی۔ انہوں نے کہا کہ جب غدر پارٹی کی جانب سے بھائی پرمانند نے ۱۵-۱۹۱۴ء میں اسی قسم کی تجویز پیش کی تھی تو اس وقت کسی نے اسے خواب سے تعبیر نہ کیا تھا۔ کانگرس کی حالت کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عالم نے کہا کہ کانگریس آزادی حاصل کرنا نہیں چاہتی بلکہ وہ برطانوی حکومت کی سرپرستی میں ہندوراج حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ممتاز مسلم قوم پرست جیسے کہ مولانا محمد علی وغیرہ انہوں نے کانگریس سے اپنا تعلق ختم کر دیا۔ یہ حقیقت نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کو چھوڑا ہے بلکہ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ کانگریس نے اپنی اصل حیثیت کو ختم کر دیا ہے اور مکمل آزادی کے اپنے

نصب العین کو ترک کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عالم نے کہا کہ لیگ میں شامل ہونے سے پہلے وہ دہلی قائداعظم سے ملنے گئے اور ان سے دریافت کیا کہ مسلم لیگ اس قرارداد کی تجویز کو حاصل کرنے کے سلسلے میں کس حد تک قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔
جناح صاحب نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی جان تک دیدیں گے اور وہ پہلے شخص ہوں گے جو جیل جائیں گا۔ (پر زور تالیاں) ڈاکٹر عالم نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ مسلم لیگ کی شاخیں تمام ضلعوں، قصبوں، گاؤں محلوں میں قائم کریں اور اس طرح قائداعظم کے ہاتھوں کو مضبوط کریں۔
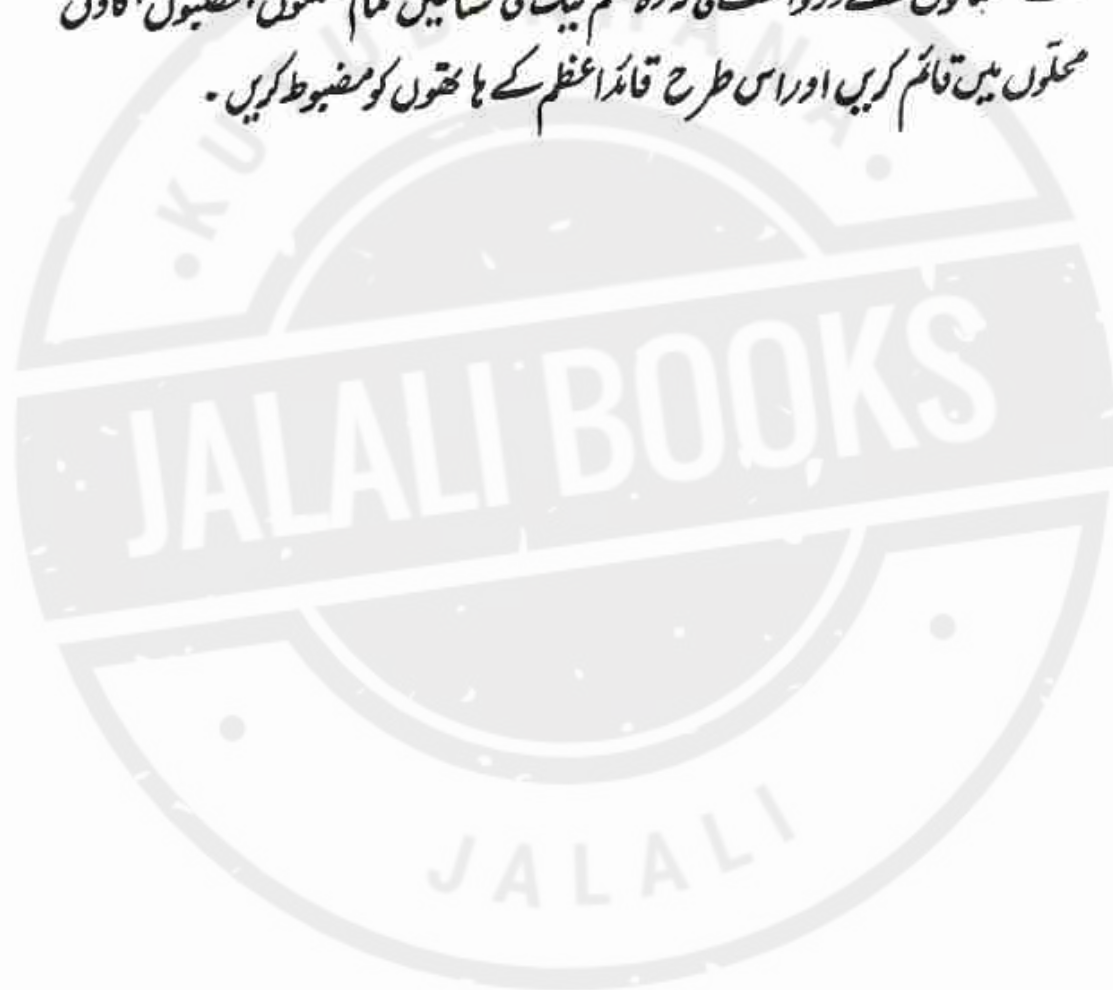
حسین شہید سہروردی

خان لیاقت علی خاں

کُل ہند مسلم لیگ کی
مجلس قانون ساز کے اراکین کا اجلاس

دہلی ۷ - ۹ ر اپریل ۱۹۴۶ء

ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں دہلی میں منعقد ہونے والا مجلس قانون ساز کے اراکین کا یہ اجلاس جو ۷ سے ۹ راپریل ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا اپنی نوعیت کا واحد اور اوّلین اجلاس تھا۔

انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اس اجلاس کے سلسلے میں بنائے گئے ایک خصوصی پنڈال میں جو مسلم لیگ کے سبز پرچموں، جھنڈیوں اور کپڑوں پر لکھے ہوئے قومی نعروں سے آراستہ و پیراستہ مسلم مجلس قانون ساز کے اراکین کا یہ اجلاس اینگلو عربک کالج کے ہال میں اتوار کی شام کو شروع ہوا۔

قائداعظم کی تقریر کا وہ مشہور اقتباس جس میں انہوں نے اس امر کی وضاحت

کی تھی کہ مسلمان قوم کیوں ایک علیحدہ اور منفرد قوم ہے۔ اسے چوبیس مربع فٹ سبز کپڑے پر سفید حروف میں لکھا گیا تھا جو انتہائی دلکش اور پر اثر دکھائی دے رہا تھا۔

"ہماری قوم وہ قوم ہے جو کروڑ ہا عوام پر مشتمل ہے۔ وہ قوم جس کی اپنی ایک امتیازی معاشرت اور تہذیب ہے۔ جس کی اپنی اقدار، ترجیحات، اصول و قوانین، اخلاقیات، رسوم و روایات، نظام تقویم، تاریخ، رجحانات اور خواہشات ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی کے بارے میں ہمارا ایک مخصوص زاویہ نگاہ ہے اور زندگی کا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے۔ ہر بین الاقوامی اصول اور قانون کی رو سے ہم ایک قوم ہیں۔

ڈائس کے دونوں طرف کپڑے کا ایک ایک پھریرا لگا ہوا تھا۔ جن میں سے ایک پر لکھا ہوا تھا۔ "پاکستان کے حصول میں ہی ہماری نجات ہے" دوسرے پر لکھا ہوا تھا۔ "ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم آخری وقت تک لڑیں گے۔ چاہے یہ جنگ انگریزوں سے ہو یا کانگریس سے"

جب مختلف دوسرے صوبوں کے قائدین وہاں پہنچے تو ان کا استقبال بڑے جوش و خروش سے کیا گیا۔ قائد اعظمؒ کو ایک جلوس کی شکل میں وہاں لایا گیا۔ جلوس کی قیادت نواب صدیق علی خان جو مسلم قومی محافظوں کے سالار اعظم تھے، مجلس عاملہ کے اراکین اور دوسرے قائدین نے کی۔

دیگر مہمانوں میں چار اکالی لیڈر تھے۔ جن میں گیانی کرتار سنگھ بھی شامل تھے۔ ان کا بے حد پرجوش استقبال کیا گیا۔ بہت سی مہمان خواتین بھی تشریف لائی تھیں۔ دو سو کے قریب صحافی تھے جو عالمی پریس کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے پنڈال میں ایک مخصوص حصہ محفوظ تھا۔ صحافیوں میں اچھی بھلی تعداد خاتون صحافیوں کی بھی تھی۔ پریس فوٹوگرافروں میں ایک خاتون فوٹوگرافر تھیں جو مشہور و معروف امریکی جریدے "لائف" کی نمائندہ تھیں۔

نوابزادہ لیاقت علی خان نے اس موقع پر اس امر کی وضاحت کی کہ چونکہ یہ اجلاس اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک نیا اور منفرد اجتماع ہے اس لیے اس کے ایک رسمی صدر کا انتخاب تمام اراکین میں سے عمل میں لانا ہے۔ نواب اسماعیل خان نے صدارت کے لیے قائداعظم کا نام تجویز کیا۔ نواب ممدوٹ نے اس کی تائید کی۔ بعدازاں قائداعظم پر جوش تائید کے ساتھ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔

قائداعظم اس وقت بھورے رنگ کی شیروانی، سفید شلوار اور وہ ٹوپی جو آج جناح کیپ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے زیب تن کیے ہوئے تھے۔

تلاوت قرآن پاک کے بعد قائداعظم خطاب کرنے کے لیے اٹھے۔ اس وقت شام کے چھ بجنے میں تین منٹ باقی تھے۔ انھوں نے زوردار انداز میں تقریر شروع کی۔ ان کی آواز کھچا کھچ بھرے ہوئے اس پنڈال کے ہر کونے میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بخوبی پہنچ رہی تھی۔ قائداعظم کی صداقت کے جذبے سے سرشار یہ آواز تمام اراکین اور آئے ہوئے مہمانوں کو بے حد متاثر کر رہی تھی۔ بیشتر وہ دھیمے اور متین لہجے میں بولے مگر دو ایک مرتبہ وہ بڑے ہی تیکھے اور طنزیہ انداز میں بولے خصوصاً اس وقت جب وہ اس امر کی جانب اشارہ کر رہے تھے کہ کانگرسی لیڈر جن میں گاندھی جی بھی شامل تھے انگریزوں کو بہتر تجارتی آسانیاں اور مراعات پیش کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں تاکہ اس سے انگریزوں اور ہندوؤں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر

مرکزی مجلس مقننہ کے اراکین اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے صوبائی قانون ساز مجلس کے اراکین جو آج یہاں اس اجلاس میں شرکت کر رہے ہیں، میں آپ لوگوں کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور خوش آمدید کہتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ انتخابات کی جنگ جو کئی ماہ سے ہم سارے ہندوستان میں لڑ رہے تھے وہ خدا کے فضل اور آپ کی انتھک محنت سے ہم جیت چکے ہیں۔ اور اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

خواتین و حضرات! ہمیں بڑی سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ طاقت ور اداروں، سازشوں اور دشمنوں کی سانٹھ گانٹھ غرضیکہ ہر چیز سے مقابلہ تھا مگر مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ ہم نے اپنے مخالفین کو ہر میدان میں شکست دی ہے آج بات ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے کہ ہم نے مسلم نشستیں نوّے فی صد حاصل کر لی ہیں اور آج آپ یہاں مختلف انتخابی حلقوں کے منتخب مجلس قانون ساز کے اراکین کی حیثیت سے پورے ہندوستان سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ اجلاس اپنی نوعیت کا وہ واحد اور منفرد اجلاس ہے جو اس سے پہلے ہندوستان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

اب ہمارے اوپر عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے بڑی اہم اور مقدس ذمہ داری عائد ہو گئی ہے۔ یہ اجلاس اس امر کے تعین کے لیے منعقد کیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد اور نصب العین کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم سب کے خیالات ایک ہیں۔ ہم سب کا مقصد پاکستان ہے اور اس کے حصول کی جدوجہد کے سلسلے میں ہم کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں گے۔ اس کے لیے اگر ہمیں اپنی جان کی بھی بازی لگانی پڑی تو ہم لگا دیں گے۔ اسے ہم لیکر رہیں گے ورنہ ختم ہو جائیں گے۔

اب آپ کو یہاں آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملے گا۔ ہم نے ایک عملی پروگرام ترتیب دینے کی کوشش کی ہے اور وہ پروگرام یہ ہے کہ میری تقریر کے بعد آپ خود اپنی ذیلی کمیٹیاں تشکیل دیں گے۔ ہر صوبہ اپنے محدود نمائندوں کو منتخب کرے گا کیونکہ ہم بڑی اور لمبی چوڑی کمیٹیاں بنانا نہیں چاہتے۔ ان ذیلی کمیٹیوں کی کوئی بھی تجویز یا تجاویز پورے اجلاس کے سامنے پیش کی جائیں گی۔ اگر ان ذیلی کمیٹیوں میں اراکین

کی تعداد زیادہ ہوئی تو آپ کسی بھی تجویز پر بخوبی بحث نہ کر سکیں گے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہر صوبہ اپنے منتخب نمائندوں کا دس فیصد کوٹہ چنے۔ پھر ان میں مرکزی مجلس مقننہ کے نمائندگان شامل کیے جائیں گے۔ اس طرح منتخب اراکین کی ایک مختصر اور محدود سی تعداد سامنے آجائے گی۔ یہی ذیلی کمیٹی ہوگی۔ اس طرح ہم پورے غور و خوض کے ساتھ تمام صورت احوال کا بغور جائزہ لے سکیں گے۔ خاص طور سے پاکستان کے آئین کے حل سے متعلق غور کرنا ہے جس کا سامنا ہمیں کرنا ہے۔ یہ بات اس حقیقت کے پیش نظر بھی نہایت اہم ہے کہ کیبنٹ مشن آج کل یہاں ہے اور وہ ہم سے ان مسائل پر بحث کرے گا۔

خصوصاً پچھلے تین ہفتوں کے کانگریس کے مختلف بیانات اور تقریریں آپ نے ضرور پڑھی ہوں گی۔ میں نے کوشش کی ہے کہ کانگریس کے موجودہ حالات کو سمجھوں اور میں ان کیفیات کو آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ جو میں نے محسوس کی ہیں۔ حالیہ بیانات جو کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اس ہفتہ دیے ہیں ان کی روشنی میں کانگریس کی کیفیت یہ ہے ؟

مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کے جواب میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کہتے ہیں "کانگریس مسلم لیگ کو اس حد تک مراعات دینے کے لیے تیار ہے کہ صوبوں کی تنظیم نو کی جائے اور انہیں مکمل خود مختاری ان صوبوں میں دے دی جائے" جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے" انہوں نے آگے فرمایا: اس سے مرکز مضبوط رہے گا جو کل ہندوستان کے دفاع کے لیے ضرور ہے" سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ: "کانگریس کسی بھی طرح دو قومی نظریے کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوگی اور نہ ہی مذہب کی بنیاد پر وہ کسی قومیت کو تسلیم کر سکتی ہے"

۸ر اپریل کو پنڈت نہرو نے فرمایا: "موجودہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے

اور ہندوستان کی آزادی کو واضح طور پر تسلیم کرنے کے سلسلے میں ہندوستانیوں کو اس امر کے لیے چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ اپنے اختلافات سامنے لائیں اور بغیر کسی قسم کی مداخلت کے اس سلسلے میں خود کوئی راستہ نکالیں "یہ معاملہ بڑا مشکل ہوتا ہے کہ کسی تیسری جماعت کی موجودگی میں آپسی اختلافات پر غور کیا جائے جبکہ وہ جماعت ان حالات پر قابو بھی رکھتی ہو۔ جب واضح اور مبینہ طور پر اس امر کا احساس ہو جائے کہ ہندوستان ایک آزاد ملک کی حیثیت اختیار کرنے والا ہے اور ہندوستان کے عوام کی مختلف جماعتیں اور فرقے کسی فیصلے پر پہنچ جائیں یا بدقسمتی سے کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے لڑیں۔ تب حقیقت پوری طرح سامنے آتی ہے"

انہوں نے آگے چل کر کہا کہ ان کا خیال ہے کہ پہلے مرحلے کے طور پر آزادی کو تسلیم کیا جائے پھر اس کے بعد ایک کل اختیاراتی آئین ساز کمیٹی کی تشکیل ہو۔ ایک دوسری اپنی حالیہ تقریر میں انہوں نے ایک طرح سے ایک کمزور سے پاکستان کی پیش کش کی ہے۔ جو مرکزی کانگریسی حکومت کے تحت ہو۔

اگر آپ کانگریس کے اس فارمولے کا ماحصل دیکھیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے پہلے تو برطانوی حکومت فوجی اور شہری حکومت کی تمام تر مشینری کانگریس کے حوالے کر دے یعنی ان کے خیال کے مطابق ایک قومی حکومت کی تشکیل کر دے اور خود ایک طرف ہو جائے۔ جب وہ پوری طرح سے اقتدار سنبھال لیں گے تو پھر وہ ایک خود مختار مجلس مقننہ کی تشکیل کریں گے تب کہیں جا کر وہ اس وسیع و عریض برصغیر میں بسنے والے چالیس کروڑ افراد کی تقدیر کا فیصلہ فرمائیں گے۔ اور اس طرح پنڈت نہرو کے خیال کے مطابق یا تو مختلف فرقے اور گروہ اس فیصلے کو تسلیم کر لیں گے یا پھر وہ آپس میں لڑیں بھڑیں گے اور پھر کہیں جا کر حقیقت واضح ہو کر سامنے آسکے گی۔

مگر وہ حقیقت ہمارے سامنے ہے ہم اسے پا چکے ہیں۔ یہ ہماری حماقت ہوگی

اگر ہم اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تصور کریں کہ کانگریس کی عارضی حکومت یا اس کی تشکیل کردہ نام نہاد مجلس مقننہ کو لوگ تسلیم کرلیں گے۔ اگر اس تجویز کو مان لیا گیا اور ان کی خیالی حکومت قائم کر دی گئی تو یہ حکومت ۴۸ گھنٹے بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ یہ ناقابل تصور ہے کہ یہ فاشسٹ حکومت فوراً اپنے تمام اختیارات اور قوت کے ذریعہ دس کروڑ افراد کی تقدیر اپنے تابع نہ لے آئے گی۔ ان کی پوری مشینری دس کروڑ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی اور دیگر کروڑہا اقلیتی افراد کے معاملے میں بھی ان کے اپنے مفادات اس سے وابستہ ہو جائیں گے۔ یہ تجویز کس قدر مضحکہ خیز ہے اس کا احساس کانگریس کو نہیں ہے۔

دوسری جانب مسلم لیگ ہے جو حقائق کی بنیاد پر آگے بڑھ رہی ہے۔ میں نے تفصیل کے ساتھ ان بنیادی تضادات کو واضح کیا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ہیں ان تمام صدیوں پر نظر ڈال جایئے یہ دو بڑی قومیں کبھی معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے متحد نہیں رہی ہیں۔ ہندوستانی اتحاد جس کے بارے اب تک ہم کہتے آئے ہیں۔ وہ بھی صرف ملک میں امن اور نظم و نسق کی حد تک پولیس اور فوج کے بل پر قائم رہا ہے۔

کانگریس کا مطالبہ ایک قوم کی بنیاد پر ہے۔ جس کا سرے سے کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ نظریہ صرف ان لوگوں کا ہے جو خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمارا فارمولا اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اس برصغیر کو دو خود مختار اور آزاد مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک ہندوستان اور دوسری پاکستان۔

دوسری بات یہ ہے کہ عارضی مرکزی حکومت سے تعاون کے سلسلے میں مسلم لیگ کی بنیادی شرط یعنی پاکستان کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سلسلے میں یہ واضح یقین دہانی ضروری ہے کہ بغیر کسی تاخیر کے اسے عملی جامہ بھی پہنانا ہے اس کے بعد ہی ہم کوئی اور قدم اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک واحد مجلس مقننہ کی تشکیل کے لیے کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم متحدہ ہندوستان کو تسلیم کرتے ہیں جو قطعی ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کے لیے ہم کسی بھی طرح تیار نہیں۔ دوسرے بہت سے اعتراضات سے قطع نظر سب سے بڑا اعتراض تو یہی ہے کہ ایک مجلس مقننہ صرف اور صرف کانگریس کے نقطہ نظر کو پیش کرے گی اور نتیجہ کے طور پر مسلمان ایک ناامید اور مایوس اقلیت ہو کر رہ جائیں گے۔

دوسری جانب ہمارے فارمولے کے مطابق دو بااختیار اور آزاد مجالس آئین ساز ہونی چاہیئں ایک ہندوستان کے لیے اور دوسری پاکستان کے لیے۔ پاکستان کی آئین ساز مجلس اس حیثیت کی ہونی چاہیئے۔ جو اس کے دفاع جیسے معاملات بھی طے کرے۔ کیونکہ اتصال اور قرب کی وجہ سے قدرتی طور پر یہ مسائل اٹھیں گے لہذا یہ معاہدوں کے ذریعے طے پائیں گے جو پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہوں گے ہم کسی بھی ایسی تجویز کو نہیں مان سکتے جو کسی بھی طرح پاکستان کی خود مختاری کے معاملے میں توہین آمیز ہو۔

ہمارے اصول کے مطابق برصغیر کا تین چوتھائی حصہ ہندوؤں کو ملتا ہے جس کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ ہندوستان آبادی اور رقبے کے لحاظ سے چین کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام ملکوں کے مقابلے میں ایک بڑا ملک ہو گا ہمیں برصغیر کا صرف چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس طرح ہم دونوں اپنے اپنے طور طریقوں اور معاشرتی انداز پر دو بڑی قوموں کی حیثیت سے رہیں گے۔ بصورت دیگر اگر کانگریس کا مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمیں نہ صرف ہندو راج کی محکومی میں دے دیا جائے گا۔ بلکہ موجودہ کانگریس جتنا جو آج بھی یہ راگ الاپ رہی ہے کہ وہ اور صرف وہ ہندوستان کے نمائندے ہیں۔ وہی پوری طرح سے

اس ملک کے وارث اور حقدار ہیں لہٰذا برطانوی حکومت کے بعد وہی یہاں کانگریس راج قائم کریں گے۔ یہ حالت ہمارے لیے ناقابل برداشت بھی ہے اور ناممکن بھی۔

انگریزوں کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر وہ کانگریس کے اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ تو یہاں خون کی ندیاں بہیں گی۔ جس کی تیاریاں بھی کی جارہی ہیں کہ وہ برطانوی تجارت کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔ انہیں اس بات کی دھمکی بھی دی جارہی ہے کہ اگر انہوں نے مطالبہ پاکستان کی حمایت کی تو ہم وہ سب کچھ کریں گے جو ہمارے بس میں ہوگا۔

بدقسمتی سے اگر انگریز اس خون خرابے کی دھمکی سے گھبرا گئے جو حقیقت سے کہیں زیادہ ایک فریب ہے تو اس وقت ہندوستانی مسلمان کسی بھی طرح غیر جانبدار اور خاموش نہ رہیں گے۔ وہ اپنا فرض ادا کریں گے اور تمام خطرات کا مقابلہ بے جگری سے کریں گے۔ مسٹر نہرو بہت زیادہ غلطی پر ہیں کہ اس سلسلہ میں زیادہ ہنگامہ نہ ہوگا۔ وہ دراصل آنند بھون کی فضاؤں میں رہ رہے ہیں۔

دوسری جانب اگر برطانیہ اس امر کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا سودا ان تجارتی مراعات کے بدلے میں کر دے جو انہیں وافر مقدار میں کانگریسی لیڈروں کی جانب سے پیش کی گئی ہیں اور اس سلسلے میں گاندھی جی تو ایک قدم اور آگے بڑھ گئے ہیں جنہوں نے بڑے پرزور الفاظ میں کہا ہے کہ وہ اس امر پہ تیار ہیں کہ وہ برطانوی اشیاء کو ترجیح دیں گے۔ مگر وہ یہ بھول گئے ہیں کہ اس معاملے میں صارفین کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہندو سرمایہ دار جو کانگریس کی پشت پناہی کرتے ہیں اس معاملے میں سب کچھ وہی نہیں ہیں۔ برطانوی اشیاء صرف کے سب سے زیادہ صارفین مسلمان ہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی تجارتی رجحانات کانگریس کے ان ترجیحات تجارتی کے لالچ میں نہیں آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس اس قسم کی شرائط پیش کرنے کی عادی ہو چکی ہے مگر وہ اپنے ان وعدوں کو کبھی پورا نہیں کرتی۔ وہ کسی بھی ایسے وعدے

کو نظر انداز کر دیتی ہے جو حالات کے مطابق ان کے مفاد میں نہ ہو۔

لیکن اس سے قطع نظر کیا برطانیہ دس کروڑ مسلمانوں اور کروڑہا دوسری اقلیتوں کے افراد کو ان پُر فریب توقعات اور دل خوش کن وعدوں کے عوض جو ان کی ہندوستان میں تجارتی منڈیوں کی ترقی کے سلسلے میں کیے گئے ہیں فروخت کرنا چاہتا ہے؟ یہ بات برطانیہ کی تاریخ میں ایک بڑا المیہ ثابت ہوگی۔ اور اس کے کیا مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ اس کا اندازہ لگانا بھی محال ہے۔

حضرات! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اسٹیٹ سیکریٹری برائے ہندوستان سے غیر سرکاری طور پر اور کیبنٹ مشن سے سرکاری طور پر طویل گفت و شنید کی ہے میں اس سلسلے میں اس وقت آپ کو اس سے زیادہ اور کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھتا کہ میری ان سے بڑے خوشگوار اور اچھے ماحول میں ان مسائل پر گفتگو ہوئی ہے جو ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے حل کے سلسلے میں ہے اور جس کا آج ہمیں سامنا ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم پاکستان اور اس کی خود مختاری سے کم پر کسی بھی طرح آمادہ نہیں ہو سکتے۔

ہم ایک آئین ساز مجلس بنانے پر کسی طرح تیار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کا مطلب ہمیں اپنی موت کے پروانے پر خود دستخط کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہم نہ ہی حکومت کے کسی عارضی انتظام پر تیار ہیں سوائے اس کے کہ پاکستان کے منصوبے کو پوری طرح سے تسلیم کر لیا جائے۔

اگر کسی قسم کی عارضی حکومت یا کوئی آئین ہم پر زبردستی ٹھونسا گیا تو ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا کہ ہم اس کے خلاف ہر امکانی مزاحمت کریں۔ میں آپ لوگوں کی طرف سے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم کسی بھی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے بلکہ ہم حکومت

کی کسی بھی ایسی تجویز کو نہ مانیں گے جس میں ہماری رائے شامل نہ ہوگی۔

اگر برطانیہ اس معاملے میں کوئی ناخوشگوار قدم اٹھاتا ہے تو وہ ہمارے اعتماد کو بری طرح مجروح کرنے کا مرتکب ہوگا۔ اور اس کا یہ عمل ۱۹۴۰ء کے اس اعلان کے برخلاف ہوگا جو اس نے اس وقت کیا تھا جب اسے ہمارے خون اور دولت کی ضرورت تھی۔ یہ ہمارے اوپر آزمائش کا آخری تازیانہ ہوگا لھذا ہم سے اگر یہ فریب کیا گیا تو اس کی مزاحمت ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ کریں گے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے کیونکہ ہم صحیح اور سیدھے راستے پر ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے بہتر ہے جو اس عظیم برصغیر میں بستے ہیں۔ لہذا ہمیں گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے مکمل اتحاد کے ساتھ آگے بڑھیئے جیسے کہ آپ ایک منظم پاکستانی سپاہی ہیں۔

حضرات! مجھے یقین ہے کہ ہم نے انتخابات میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے اس پر آپ لوگ بے حد مسرور ہوں گے۔ آپ نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ ہم ایک متحد قوم ہیں اور ہم اس کی اہمیت کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ اب میں آپ سے آخری بات یہ کہوں گا کہ میرے خیال میں کوئی بھی طاقت ایسی نہیں ہے جو ہمیں حصول پاکستان کے مقصد سے روک سکے اس کے لیے صرف ایک شرط ہے اور وہ ہے اتحاد —— مجھے یقین واثق ہے کہ ہم کامیابی پر کامیابی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جائیں گے اور پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔

ذیلی کمیٹی

قائد اعظم کی تقریر کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اعلان کیا کہ ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو ہر صوبے کے دس فیصد مجلس قانون ساز کے اراکین پر مشتمل ہوگی لہٰذا اراکین کی تعداد اس طرح سے ہوگی۔ مدراس چار، بمبئی چار، بنگال چودہ، یوپی آٹھ،

پنجاب نو، بہار چار، سی پی اور برار ایک، آسام چار، صوبہ سرحد چار، اڑیسہ ایک، سندھ تین، مرکزی اسمبلی دس، اسٹیٹ کونسل تین۔

بعد ازاں انتخابات عمل میں آئے

ذیل کمیٹی کے اراکین کے نام نیچے دیے جارہے ہیں۔

جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب

جناب نواب محمد اسماعیل خاں صاحب

سر محمد یامین خان صاحب

جناب یوسف ہارون صاحب

نواب صدیق علی خاں صاحب

جناب حاجی اسحاق ستار سیٹھ صاحب

جناب موسیٰ قلعدار صاحب

جناب محمد نعمان صاحب

جناب تمیز الدین خاں صاحب اور

جناب کیپٹن عابد حسین صاحب۔ مرکزی اسمبلی سے بطور نمائندے منتخب ہوئے

کونسل آف اسٹیٹ سے مندرجہ ذیل نمائندے منتخب کیے گئے۔

جناب حسین امام صاحب

جناب محمود پاشا صاحب

جناب عبدالرزاق ستار سیٹھ صاحب

بمبئی

جناب آئی۔ آئی چندریگر صاحب

جناب کے۔ ایس۔ اے۔ اے خان صاحب

جناب ایس۔ ایم حسین اور

جناب اے۔ ایس۔ یشیخ صاحب

سندھ

جناب حاجی علی اکبر صاحب

جناب آغا بدرالدین صاحب

جناب محمود ہارون صاحب

پنجاب

جناب سردار شوکت حیات خان صاحب

سر فیروز خان نون صاحب

جناب راجہ غضنفر علی صاحب

جناب میاں افتخارالدین صاحب

بیگم شاہ نواز صاحبہ

جناب پیر آف مکھڈ

جناب میجر عاشق حسین قریشی صاحب

جناب چودھری سلام الدین صاحب

آسام

جناب مولانا عبدالحامد صاحب

جناب سعید الرحمان صاحب

جناب مولوی منوّر علی صاحب

جناب مولوی عبد الحاجی صاحب

سی۔ پی

جناب سید رؤف شاہ صاحب

صوبہ سرحد

جناب خان عبد القیوم صاحب

جناب کرنل نواب سر اکبر خان آف ہوتی صاحب

جناب خان سردار بہادر خاں صاحب

جناب حبیب اللہ خان صاحب

یو۔ پی

جناب چودھری خلیق الزماں صاحب

جناب زیڈ۔ ایچ لاری صاحب

بیگم اعجاز رسول صاحبہ

جناب نواب سر محمد یوسف صاحب

جناب مولوی اعجاز احمد خان صاحب

جناب مولانا حسرت موہانی صاحب

جناب پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم صاحب

جناب ایس۔ رضوان اللہ صاحب

مدراس

جناب محمد اسمٰعیل صاحب
جناب کے۔ ایم۔ سیٹھ صاحب
جناب عبدالحمید خاں صاحب
جناب خان بہادر ڈاکٹر تاج الدین صاحب

بہار

جناب لطیف الرحمان صاحب
جناب تجمل حسین صاحب
جناب عابد صاحب
جناب جعفر امام صاحب

بنگال

جناب ایچ۔ ایس سہروردی صاحب
جناب عبدالہاشم صاحب
جناب شمس الدین احمد صاحب

جناب حمید الحق صاحب
جناب فضل الرحمان صاحب

جناب خان بہادر نورالامین صاحب

جناب خان بہادر شرف الدین احمد صاحب

جناب خان بہادر معظم الدین حسین صاحب

جناب مولانا باقی صاحب

جناب خان بہادر غفران صاحب

جناب احمد حسین صاحب

جناب خان بہادر احمد علی صاحب

جناب ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی صاحب

مسلم لیگ کی مجلس قانون ساز کے اراکین کی اس ذیلی کمیٹی کے اس کنونشن نے پیر کا یہ دن انتہائی مصروفیت کے عالم میں گزارا۔ اس دن انہوں نے ان تجاویز پر سیر حاصل بحث کی جو ۸۔ اپریل کے کھلے اجلاس میں پیش ہونی تھیں

اس کمیٹی نے قائداعظم کی صدارت میں اینگلو عربیک کالج کے ایک کمرے میں اپنا کام صبح ساڑھے دس بجے سے شروع کیا۔

صبح کا اجلاس چار گھنٹے سے بھی کچھ زیادہ دیر تک چلا اور وہ دو بج کر پینتالیس منٹ پر ختم ہوا۔ دوبارہ سات بجے شام یہ اجلاس پھر شروع ہوا۔ شام کا اجلاس تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔

تمام وقت جب تک یہ اجلاس ہوتا رہا مسلم قومی رضا کار محافظ کمرے کی بڑی سختی اور ہوشیاری سے نگرانی کرتے رہے۔ کمرے کے آگے آنے کی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی۔ اس سے آگے آنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ مسلم لیگ کے کارکنوں، مبصرین اور اخباری نمائندوں کی ایک بڑی تعداد بڑی بیتابی سے باہر کھڑی ان قائدین کے باہر نکلنے کی منتظر وہاں جمع تھی۔ گو کہ اس معاملے کو بہت زیادہ خفیہ رکھا گیا تھا اور کسی کو بھی کچھ سننے یا دیکھنے کی

اجازت نہ تھی۔ مگر دور سے کھڑکی اور دروازے کے شیشوں میں سے یہ دکھائی دیا تھا۔ کہ قائداعظم اکثر و بیشتر کھڑے دکھائی دیئے تھے اور ان کے ہاتھوں کی مخصوص حرکت یہ ظاہر کرتی تھی کہ کمیٹی نے مختلف مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی طرح کمیٹی کے بیشتر اراکین نے اس بحث میں بڑی مستعدی سے حصہ لیا ہے اور ان میں سے بیشتر نے کئی کئی بار کھڑے ہو کر بحث کی ہے۔

قرارداد دہلی

ذیلی کمیٹی نے پیر کے دن اپنی پانچ گھنٹے کی مسلسل بحث کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی۔

جبکہ اس وسیع و عریض برصغیر ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک ایسے عقیدے سے وابستہ ہیں جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے (تعلیمی۔ معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی) جن کا عقیدہ یا مذہب صرف روحانی نظریات اور محض رسومات کا نام نہیں ہے۔ جو ہندو دھرم کے فلسفے سے یک لخت مختلف ہے جس نے ہزاروں سال سے ذات پات کے ایک سخت گیر نظام کو رائج کر رکھا ہے اور جس کے نتیجے میں انہوں نے چھ کروڑ انسانوں کی تذلیل کر کے انہیں اچھوت بنا رکھا ہے اور انسان انسان کے درمیان غیر فطری دیواریں قائم کر دی ہیں اور اس ملک کی آبادی کے ایک بڑے حصے پر اقتصادی اور معاشرتی عدم مساوات کی حد بندیاں قائم کر دی ہیں۔ جن کی دھمکی ہے کہ وہ مسلمانوں عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو ناقابل حد تک گرا کر اقتصادی اور معاشرتی طور پر غلام بنا کر رکھ دیں گے۔

جبکہ ہندو ذات پات کا نظام براہ راست قومیت، مساوات، جمہوریت اور زندگی کی دوسری اعلیٰ اقدار کی نفی ہے اور ان اعلیٰ اقدار کا کھلا تضاد ہے جو اسلام

پیش کرتا ہے۔

جبکہ مختلف تاریخی پس منظر، رسوم، تمدن، معاشرتی اور اقتصادی نظام ہندو اور مسلمانوں کو ایک ہندوستانی قوم بنانے ان کے محرکات اور پسند ناپسند کو ایک کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اور صدیوں کے اشتراک کے باوجود بھی آج بھی دو الگ اور مختلف قوموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جبکہ برطانیہ کی ہندوستان میں اس حکمت عملی کے نفاذ یعنی سیاسی اداروں کے قیام کے بعد جو انہوں نے مغربی جمہوری انداز پر اکثریتی حکومت کی طرز پہ یہاں قائم کئے، جس کا نتیجہ یہاں یہ نکلا کہ ایک قوم کی اکثریت یا معاشرہ کی اکثریت اختلافات کے باوجود اپنی مرضی دوسری قوم پر ٹھونس سکے۔ یہ بات واضح انداز میں ڈھائی سالہ کانگریسی حکومتوں نے ہندو اکثریتی صوبوں میں کر دکھائی۔ وہ حکومتیں جو حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت قائم کی گئی تھیں۔ جہاں مسلمانوں کو ناقابل بیان ہراس میں مبتلا کیا گیا اور بری طرح دبایا گیا۔ جس کے نتیجے میں یہ بات واضح ہو کر ان کے سامنے آگئی کہ آئین میں جو نام نہاد تحفظات انہیں فراہم کیے گئے ہیں اور گورنروں کو جو ہدایات دی گئی ہیں وہ محض کاغذی ہیں اور انہیں اس امر کا پختہ یقین ہو گیا ہے کہ ایک متحدہ ہندوستان کے وفاق میں مسلمان، یہاں تک کہ اکثریتی صوبوں میں بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے اور ان کے مفادات کا تحفظ مرکز میں ہندوؤں کی اکثریت کی بناء پر کبھی بھی مناسب طور پر نہ ہو سکے گا۔

لہٰذا مسلمان اب تہیہ کر چکے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان ہندوؤں کے تسلط سے آزاد ہو کر اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کو پوری طرح سے بروئے کار لاسکیں اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ایک خود مختار آزاد مملکت تشکیل دی جائے جو شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان

پر مشتمل ہو۔

ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی مجلس قانون ساز کے اراکین کا یہ اجلاس انتہائی غور و خوض کے بعد یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلمان قوم کسی ایسے آئین کو منظور نہیں کرے گی جو متحدہ ہندوستان کے لیے ہوگا۔ اور اس مقصد کے لیے مسلمان قوم کسی ایک اور واحد مجلس آئین ساز میں حصہ نہ لے گی اور برطانیہ سے ہندوستانی عوام کو اقتدار انتقال کا کوئی ایسا فارمولا جو مندرجہ ذیل حق و صداقت پر مبنی اصولوں کی بنیاد پر نہ ہوگا۔ اس سے یہاں یہاں کبھی اندرونی امن قائم نہ رہے گا۔ اور نہ ہی اس سے کسی بھی طرح ہندوستانی مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ اور مناسب حل نکل سکے گا:

۱۔ وہ علاقے یعنی شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ یعنی پاکستان کے علاقے انہیں ایک آزاد اور خودمختار مملکت کا درجہ دیا جائے اس سلسلے میں یقین دہانی کرائی جائے اور پاکستان کی تشکیل کے سلسلے میں اس پر بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر عمل درآمد کیا جائے۔

۲۔ ہندوستان اور پاکستان کے عوام کے لیے دو آئین ساز مجالس تشکیل دی جائیں تاکہ وہ دونوں اپنے اپنے آئین تیار کریں۔

۳۔ پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کو کل ہند مسلم لیگ کی قرارداد لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی روشنی میں تحفظات فراہم کئے جائیں۔

۴۔ مرکز میں عارضی حکومت کے قیام کے سلسلے میں مسلم لیگ کے تعاون کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے مطالبہ یعنی پاکستان کی تشکیل کے سلسلے میں بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر عمل درآمد کیا جائے۔

یہ اجلاس ایک بار پھر واضح طور پر اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ متحدہ ہندوستان

کی بنیاد پر کسی بھی آئین کا نفاذ یا مرکز میں کسی عارضی حکومت کا قیام جو مسلم لیگ کے مطالبے کے برخلاف ہو گا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہو گا کہ وہ اپنے قومی وجود اور اس کی بقاء کے لیے ہر امکانی مزاحمت کریں۔

دوسرا کھلا اجلاس

جناب ایم رائے جناح کی صدارت میں جناب نوابزادہ لیاقت علی خان نے جناب سہروردی کو قرارداد پیش کرنے کی دعوت دی۔

زوردار تالیوں کی گونج میں جناب سہروردی نے کہا کہ یہ تاریخی اجلاس ہندوستان کی تاریخ کے ایک نازک ترین وقت پر غور وخوض کر رہا ہے۔ جبکہ ایک طرف برطانیہ اور دوسری طرف ہندوستان کے عوام اپنی اپنی راہوں کا تعین کر رہے ہیں۔

جناب سہروردی نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے لیگ سے باہر کوئی جگہ نہیں ہے اور وہ مسلمان جو پاکستان میں یقین نہیں رکھتے خواہ وہ "غدار سندھ ہو یا غدار پاکستان" یہاں تک کہ کانگریسی مسلمان جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے وہ بھی پاکستان کے خلاف نہیں ہیں۔ شاید وہ پاکستان کا احساس وہاں کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا "کیا ملک خضر حیات نہیں کہتے کہ وہ پاکستان میں یقین رکھتے ہیں؟"

میں ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ اگر وہ عزت چاہتے ہیں تو وہ یہ عزت اپنے لوگوں سے ہی کیوں حاصل نہیں کرتے؟"

مسلمانوں کے مستقبل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ دس کروڑ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

انہوں نے کہا "برطانیہ چاہتا ہے کہ انتقال اقتدار ہندوستانیوں کو کر دے اور

کیبنٹ مشن اس اقتدار کے تبادلے کی موزوں راہ تلاش کر رہا ہے"۔

انہوں نے کہا " کانگریس اقتدار اس لیے چاہتی ہے کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی امنگوں کو کچل کر رکھ دے"۔

سہروردی صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا " کانگریس کہتی ہے کہ اقتدار اسے دے دیا جائے۔ ہم سارے اختلافات کو ختم کر دیں گے۔ ہم مسلمانوں کو مغلوب کر لیں گے۔ ہم اچھوتوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ ہم آدی باسیوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اپنی پولیس، فوج اور ہتھیاروں کو چھوڑ دو۔ ہم متحدہ ہندوستان کے نام پر اسے جنگ کا اکھاڑہ بنا دیں گے۔ اسے میں جنون اور پاگل پن سے تعبیر کرتا ہوں جو اقتدار کی بھوک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔" اسے میں اندھا پن کہوں گا اگر کیبنٹ مشن ہندوستان کی تقدیر اس قانون کے گروہ کے ہاتھوں میں دے دے گا" انہوں نے کہا۔

جناب سہروردی نے کہا کہ" دس کروڑ مسلمان ایک قوم ہیں مگر یہ غلط ہے کہ تیس کروڑ افراد جو ہندو کہلاتے ہیں ایک قوم ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ دوسرے مغلوب طبقے جیسے کہ اچھوت وغیرہ اب ابھر رہے ہیں۔ اب وہ بھی برصغیر ہندوستان میں اپنا جائز مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

" کیا پاکستان ہمارا آخری مطالبہ ہے " انہوں نے پوچھا پھر خود جواب دیا۔" میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔ مگر یہ ہمارا تازہ ترین مطالبہ ضرور ہے۔ میں یہاں کانگریس کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پہلے ہم نے بہت کم مانگا تھا۔ اور ہم اس امر پر تیار تھے۔ ہم میں سے بڑی تعداد نے جمہوری آئین کے معاملے میں ہندوؤں کو منظور کر لیا تھا۔ مگر ہمارے جائز مطالبات کو بھی انہوں نے مسترد کر دیا۔ اب ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ یہ ہمارا جائز اور درست مطالبہ ہے۔"

" بعد ازاں ؟" جناب سہروردی نے پوچھا۔ انہوں نے کہا " قائد اعظم کہتے ہیں کہ

ہم آئین کے نفاذ کے خلاف مزاحمت کریں گے جو ہمیں نامنظور ہے میرا خیال ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں کی بھی یہی آواز ہے " ہم مزاحمت کریں گے" انہوں نے آگے چل کر کہا " ہم امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم خانہ جنگی نہیں چاہتے بلکہ ہم تو ایک ایسا خطۂ زمین چاہتے ہیں جہاں امن و سکون سے رہ سکیں"۔ انہوں نے کہا کہ بہت سے ہندو لیگ کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت مسلمان ہندوستان میں صرف دو کونے چاہتے ہیں۔ " اگر آپ ہمارے خلاف جنگ شروع کرنا چاہتے ہیں" انہوں نے کہا۔ " تو میں اس سلسلے میں کسی قسم کی پیش گوئی کرنے کی حالت میں نہیں ہوں"

انہوں نے کہا۔ " ہم ایک قوم ہیں اور یہ بات میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے دنیا کی تہذیب کو بہت کچھ دیا ہے"

جناب سہروردی نے زور دے کر یہ بات کہی کہ ہندو عوام کانگریس کے نظریہ کے حامی نہیں ہیں۔ کانگریس صرف ہندوؤں کے دانشور طبقہ کی نمائندگی کرتی ہے جو شاطر اور باتیں کرنے کے دھنی ہیں۔ ایک طرف وہ دھمکیاں دیتے ہیں اور دوسری طرف وہ بغلیں جھانکتے ہیں۔

جناب سہروردی نے کہا کہ بہت سے ہندو پاکستان کو بیماروں اور خرابیوں کا حل سمجھتے ہیں کیونکہ پاکستان روندے ہوئے اور کچلے ہوئے لوگوں کے لیے ایک جنت ارضی اور گوشۂ عافیت ہو گا۔

جناب سہروردی نے کہا کہ مسلمانوں کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ ہندوؤں کی مرضی پر بھروسہ کریں اور اسی لیے انہوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا ہے۔ " مطالبۂ پاکستان میں وجہ نامعقولیت کیا ہے؟" جناب سہروردی نے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ہندوستان کے دو کونے چاہتے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہے۔ جناب سہروردی نے کہا کہ مسلمان ایک آزاد اور خود مختار ملک سے کم پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔

جناب سہروردی نے کہا کہ اب سوال یہ ہے کہ برطانیہ اور ہندو پرامن طریقے سے پاکستان دینے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟

جناب سہروردی نے کہا "میں نے اس مسئلہ پر طویل غور و خوض کیا ہے کہ آیا مسلمان اس سلسلے میں لڑنے کے لیے تیار ہیں مجھے ایمانداری سے یہ اعلان کرنے دیجئے کہ بنگال کا ہر مسلمان اپنی جان دینے کے لیے تیار ہے"

جناب سہروردی نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو نہایت گرم جوشی سے خراج عقیدت پیش کیا۔ جہاں سے مسلمانوں کی آزادی کی لہریں اٹھی ہیں انہوں نے کہا کہ یہ امر قابل تعریف ہے کہ وہ پاکستان کے لیے قربانیاں دینے کے لیے تیار ہیں۔ مگر اب مسلم اکثریتی صوبوں کو چاہیئے کہ جدوجہد کے اس بار کو سنبھالیں،،

قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ "میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمارا امتحان لے لیں۔ بنگال کے مسلمان عظیم پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں"

دفاع کے مسئلہ کا حوالہ دیتے ہوئے جناب سہروردی نے پوچھا "دفاع کس کے خلاف؟ انہوں نے کہا کہ جب برطانیہ اور امریکہ اپنا دفاع خود تنہا کر سکتے ہیں اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ جیسے ہی ہم پاکستان حاصل کریں گے، ہم فوراً حملے شروع کر دیں گے اور خود کو ہتھیاروں سے مسلح کریں گے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ پاکستان ہندوستان کے حملے کے خلاف اپنا دفاع کس طرح کرے گا۔ جناب سہروردی نے کہا "ہمیں تنہا چھوڑ دیجئے ہم اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں۔

چوہدری خلیق الزماں جن کی اردو تقریر کے دوران بار بار تالیاں بجیں۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ نہ تو انگریز اور نہ ہی ہندو مسلمانوں کو سمجھ سکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہندومت اور مذہب اسلام کے درمیان اس درجے وسیع و عریض خلیج حائل

ہے کہ ان دونوں کے امتزاج سے کبھی ہندوستان میں ایک قوم وجود میں نہیں آسکتی۔
انہوں نے کہا کہ ہندوؤں کا برتاؤ مسلمانوں اور اچھوتوں کے ساتھ اس قدر نازیبا اور توہین آمیز ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے ایک قوم ہونے کا تصور خام ہے۔
پاکستان کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے فرمایا کہ تحریک خلافت کے بعد ہندوؤں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ انگریزوں کی طاقت کمزور پڑ گئی ہے۔ لہذا انہوں نے اس بات کی کوشش شروع کر دی کہ وہ ان کے جانشین بن جائیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ابتدا ہی سے اس کوشش میں رہے کہ اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھ سکیں۔ مگر برطانوی حکومت اس مسئلہ کو ہمیشہ نظر انداز کرتی رہی۔
انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کو کچلنا چاہتی تھی اور ہندوؤں نے اس سلسلے میں ان کی مدد کی۔ بڑی مشکلات اور احتجاجات کے بعد مسلمان اپنے رائے دہندگی کے علیحدہ حق کو منوانے میں کامیاب ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلمان ۱۸۵۷ء ہی سے اپنے وجود کی بقا کے سلسلے میں کوشاں ہیں اور مطالبۂ پاکستان ان کی انہی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل ہے۔
جناب چودھری خلیق الزماں صاحب نے کہا کہ پاکستان مسلمانوں کا آخری مطالبہ ہے اور کیبنٹ مشن کو اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ مرکز میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ مجلس آئین ساز کو تماشا بنا دینے کے مصداق ہے
انہوں نے اس امر کا اعلان کیا کہ اس قسم کی حکومت کے ٹھونپے جانے پر مسلمان اس کی مزاحمت کریں گے اور اس قسم کی مجلس آئین ساز کے قیام کو ناممکن بنا دیں گے۔
انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر مرکز میں اس نوع کی عارضی حکومت قائم کر دی گئی تو مستقل واضح ہندو اکثریت حکومت کی تمام تر قوت کا استعمال مسلمانوں اور غیر مطمئن اقلیتوں کو دبانے اور انہیں ختم کر دینے میں صرف کرے گی اور اس طرح اسمبلی ایک مذاق

بن کر رہ جائے گی۔

جناب چودھری خلیق الزماں صاحب نے کہا کہ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ پاکستان کے سلسلے میں آخری جدوجہد کا وقت اس شخص کی زندگی میں ہی آگیا ہے جس نے قوم کو متحد کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "مسلمان اب اپنی منزل کا تعین خود کرلیں گے"

چودھری خلیق الزماں صاحب نے کہا کہ ہندو پریس اب اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے یہ دریافت کر رہا ہے کہ آپ جس پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان کافی عقل مند ہیں انہیں معلوم ہے کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے لہذا انہیں ہندو پریس کی جانب سے کسی قسم کی نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔

چودھری صاحب نے کہا "ہندو جانتے ہیں کہ پاکستان مسلم اقلیتی صوبوں کے مفاد میں ہے ورنہ ہندو زمینداروں کی لاٹھیاں اور ہندو سرمایہ داروں کی دولت ہمارے خلاف مسلم اقلیتی صوبوں میں کبھی استعمال نہ ہوتی۔

مولانا آزاد کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہ مسلم لیگ نے زبردستی ووٹ لیے ہیں چودھری صاحب نے کہا "میں اور ہر مسلم لیگی مولانا آزاد کے اس انکشاف پر حیران ہے مگر ہمیں ان کے اس بیان پر حیرت زدہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس بیان کے مخاطب ہم نہیں ہیں۔ یہ ایک ذاتی توضیح ہے جو مولانا آزاد نے بلیک مارکیٹ کرنے والوں اور مفاد پرستوں کے سلسلے میں کی ہے۔ جن کی دولت انہوں نے ان انتخابات میں ضائع کی ہے"۔

حکومت نے بہار کی آدی باسیوں سے متعلق اطلاع کا حوالہ دیتے ہوئے چودھری صاحب نے کہا کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کانگریسی وزارتیں اس بار کس انداز میں کام کریں گی۔

چودھری خلیق الزماں صاحب نے کہا کہ علی گڑھ میں معمولی سا ہنگامہ ہوا تھا اور اس سلسلے میں دو وزیر وہاں کے حالات کا جائزہ لینے گئے تھے مگر جب گاسگنج میں مسلمانوں کی دکانیں اور مکانات نذر آتش کیے گئے اور مسجد میں آگ لگائی گئی تو وہاں ایک وزیر کو بھی نہ بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا، "اس بار کانگریسی وزارتیں ۱۹۳۷ء کے مقابلے میں کہیں زیادہ قاتلانہ ارادوں سے اقتدار میں آئی ہیں"۔

چودھری صاحب نے کہا کہ مسلمانوں کے اندر پاکستان کی خواہش بڑی شدید ہے یہاں تک کہ اب جناب جی۔ ایم۔ سید، ملک خضر حیات اور ڈاکٹر خان صاحبان نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ انہوں نے کہا "میں نے سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کیبنٹ وزیروں کے ایک سوال کے جواب میں کہ کیا وہ متحدہ ہندوستان چاہتے ہیں کہا کہ وہ تو ساری دنیا کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں"

ایک دوسرے سوال کے جواب میں کہ اگر پاکستان بن گیا تو کیا وہ صوبہ سرحد میں ہی رہیں گے۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ "میں اپنے لوگوں سے خود کو کس طرح جدا کر سکتا ہوں؟

چوہدری خلیق الزماں صاحب نے کہا کہ "ہم سردار ولبھ بھائی پٹیل کی طرح خانہ جنگی کی دھمکی نہیں دے رہے ہیں مگر یہ ضرور کہ دینا چاہتے ہیں کہ کانگریس کے لیے حکومت حاصل کرنا شاید آسان ہو مگر اسے چلانا اور قائم رکھنا محال ہوگا"۔

انہوں نے کہا کہ "اگر ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے تو اس کھیل میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ گاندھی جی کہا کرتے ہیں کہ "مسلمان غنڈے ہیں اور ہندو بزدل۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ غنڈہ بزدل کے مقابلے میں کہیں زیادہ شرارت کر سکتا ہے"۔

قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان صاحب نے کہا۔ "ہم پاکستان کے لیے اپنی جانیں دے دیں گے۔ ہم صرف آپ کے حکم کے منتظر ہیں"

سندھ کے وزیراعظم سر غلام حسین ہدایت اللہ نے مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں

کو مبارکباد دی کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ حصول پاکستان کی جدوجہد میں شامل ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو پاکستان میں یقین نہ رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ ملک خضر حیات خاں اور ڈاکٹر خان صاحب تک پاکستان کے مخالف نہیں ہیں۔

سندھ کے وزیر اعظم نے کہا کہ ہندو کسی بھی طرح جمہوریت پسند نہیں ہیں اگر وہ اکثریت میں نہ ہوتے تو کبھی وہ جمہوری حکومت کا مطالبہ نہ کرتے۔ انہوں نے سندھ میں کانگریس کی سازشوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہاں پڑھے لکھے ہندوؤں نے چار مسلمانوں کی قیادت کو تسلیم کیا ہے کہ یہ مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں اپنا قائدین تسلیم کیا ہے۔ جنہوں نے کبھی اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی۔

سندھ کے وزیر اعظم نے کہا کہ انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ نوے فی صد مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور ان کا یہ پختہ عزم ہے کہ وہ پاکستان حاصل کر کے رہیں گے سندھ کا ہر مسلمان ایسی حکومت کی ہر صورت سے مزاحمت کرے گا۔ جو مسلمانوں کو قابل قبول نہ ہوگی۔

آسام اسمبلی کے مسلم لیگی لیڈر سر محمد سعد اللہ نے کہا کہ مسلمان آسام میں ایک واضح اور بڑی اکثریت میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آسام ایک غریب صوبہ ہے۔ وہاں نہ ہائیکورٹ ہے۔ نہ میڈیکل کالج اور نہ ہی کوئی انجینئرنگ کالج اور اس کے لیے انہیں بنگال کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ "اس کے علاوہ آسام کی جغرافیائی اور طبعی حالت ایسی ہے کہ پاکستان کے ساتھ اس کی شمولیت ناگزیر ہے"

سی۔ پی اسمبلی کے مسلم لیگی رکن جناب سید رؤف شاہ نے اعلان کیا کہ سی۔ پی کے مسلمان پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا "دہلی انگنت شہنشاہوں کا قبرستان ہے اور ہم یہاں متحدہ ہندوستان کے خواب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دینے کے لیے جمع ہوئے ہیں"

نواب صاحب ممدوٹ جب اسٹیج پر آئے تو بڑی زوردار تالیوں سے ان کا استقبال ہوا۔ انہوں نے انگریزوں کے لیے کہا کہ وہ پاکستان کو منظور کریں اور ہندوستان چھوڑ دیں۔

انہوں نے کہا۔ "ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ ہم پاکستان کا دفاع کس طرح کریں گے؟ میں کہوں گا کہ جب پنجاب کے بہادر اور تنومند فوجی نازی جارحیت کے خلاف انگلستان کا دفاع کر سکتے ہیں تو وہ اپنے گھر بار اور بال بچوں کا دفاع بھی کر سکتے ہیں۔

نواب صاحب ممدوٹ نے اعلان کیا کہ پاکستان مسلمانوں کی آخری آرزو ہے اور مسلمان اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ وہ پاکستان کو حاصل نہ کر لیں گے۔

انہوں نے کہا کہ "جب بھی پنجاب کے مسلمانوں میں خواب غفلت سے بیداری کا احساس پیدا ہوا انہیں سلا دیا گیا ہے"

اس وقت سر برٹرینڈ گلینسی نے مسلمانوں کو پھر مربعوں (زمین کے قطعات) اور جاگیر نما خواب آور گولیاں دی ہیں۔ (قہقہے) کچھ مسلمانوں کو تو انہوں نے بیس مربع تک زمین دی ہے۔ مگر پھر بھی انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے تمام مسلمان جو اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان بھی جو یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں ان تک نے پاکستان کی حمایت کی ہے "بے تحاشہ تالیوں کی گونج کے درمیان نواب صاحب ممدوٹ نے اعلان کیا کہ "پاکستان کے نام پر ہم ایسی صد ہا وزارتیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے گلینسی آزاد خضر گٹھ جوڑ اور ان تمام سازشوں کی تفصیل بیان کی جو انہوں نے پنجاب میں مسلم لیگ کی وزارت بننے کے خلاف کیں۔

جناب ایچ۔ ایس سہروردی کی قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے۔ بمبئی اسمبلی کے مسلم لیگی لیڈر جناب آئی۔ آئی چندریگر صاحب نے اعلان کیا کہ اگر چالیس لاکھ برٹش

حکومت برطانیہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایسی پارلیمنٹ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ جس میں وہ ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے لہٰذا دس کروڑ مسلمانوں کو ہر طرح یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے علیحدہ وجود کا مطالبہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ ایک ایسی حکومت جسے لوگ نہ چاہتے ہوں اگر ان پر مسلط کی گئی تو وہ کبھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ انہوں نے یوگوسلاویہ کی جانب توجہ دلائی کہ وہاں مختلف قومیتوں پر ایک مرکزی حکومت مسلط کی گئی مگر جیسے ہی جنگ کا بحران شروع ہوا اس مرکزی حکومت کا سارا ڈھانچہ تہہ و بالا ہو کر رہ گیا۔

جناب چندریگر صاحب نے کہا کہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے پاکستان کے مطالبہ کی حمایت کی تاکہ برصغیر میں ایک مسلم حکومت وجود میں آجائے اور اس طرح ہندوستان اور پاکستان کے مابین ایک توازن قائم ہو جائے۔

جناب چندریگر صاحب نے کہا کہ ہندوستانیوں کو ایک قوم کہنا بڑی مضحکہ خیز بات ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ کا پانی تک نہ پی سکیں۔ ساتھ کھانا نہ کھا سکیں اور نہ ہی آپس میں شادی بیاہ کر سکیں۔

جناب چندریگر صاحب نے فرمایا کہ اقلیتوں کے لیے طاقت کا یہ توازن بہت حد تک تحفظ فراہم کر سکتا ہے جب دکن میں ہندو حکومت تھی تو وہاں مسلمان مغلوب اور دبے ہوئے تھے اور جب وہاں مسلم حکومت برسر اقتدار آگئی تو ہندوؤں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا مگر جب دکن میں مسلمان نظام کے ساتھ ساتھ مرہٹہ طاقت بھی وجود میں آگئی تو وہاں کوئی بھی دبی ہوئی اور مغلوب نہ رہی۔

لہٰذا پاکستان اور ہندوستان کی دو آزاد اور خود مختار حکومتوں کے قیام کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ پھر نہ تو کسی اقلیت کو دبایا جائے گا اور نہ ہی ستایا جائے گا۔

صوبہ سرحد کی اسمبلی کے مسلم لیگی قائد جناب عبدالقیوم صاحب نے زوردار نعروں کی گونج میں اعلان کیا کہ اگر حکومت برطانیہ نے مسلمانوں پر مرکزی حکومت مسلط کی تو مسلمانوں

کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہے گا کہ وہ تلوار اٹھالیں اور حکومت برطانیہ کے خلاف بغاوت کر دیں۔

انہوں نے کہا کہ اگر ہندوستان چھوڑ دو کا مطلب یہ ہے کہ انگریز فوراً یہاں سے چلے جائیں۔ اور ہندو اور مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے تعین کی اجازت دے دیں تو میں کہوں گا کہ مسلمان اس معاملے کو طے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر در حقیقت ہندو یہ نہیں چاہتے کہ انگریز فوری طور پر یہاں سے جائیں وہ چاہتے ہیں کہ انگریز زیادہ عرصے تک یہاں رہیں تاکہ وہ مسلمانوں کو برطانوی بحری فضائی اور زمینی افواج کے ذریعے دبا سکیں

"مگر یہ نہیں ہو سکتا" انہوں نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ایک پرچم ہے۔ ایک قائد ہے۔ ایک پلیٹ فارم ہے اور ایک شالی مملکت پاکستان ہے جس کے لیے ہم جدو جہد کر رہے ہیں۔ ہم صرف اس آخری حکم کے منتظر ہیں۔ جو حصول پاکستان کے لیے ضروری ہو"

"انہوں نے سرحدی کانگریسی لیڈر خان عبدالغفار خاں کی مذمت کرتے ہوئے مسلم لیگ سے ان کی مخالفت کے بارے میں کہا: تاریخ میں ان کا نام نہایت گھناؤنے انداز میں لیا جائے گا کہ مسلمانوں میں سے ہی ایک مسلمان نے مسلمان قوم کی اس آزمائش کی گھڑی میں ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی ہے"

قبائلی علاقے کے لوگ جو تمام کے تمام مسلح ہیں۔ پاکستان کے لیے ہیں یہ مسلمان انتہائی جوش و خروش کے عالم میں ہیں۔ دہلی کے سفر کے وقت بہت سے مسلمان طالب علموں اور وردی پوشوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہمیں چلنے اور آگے بڑھنے کا حکم قائد اعظم کی جانب سے کب ملے گا"

دفاع کے مسئلہ کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر اردن جیسا تین لاکھ کی آبادی کا ملک ایک خود مختار اور آزاد ملک کی حیثیت سے وجود میں آسکتا ہے تو پھر پاکستان کا قیام

بھی عمل میں آنا چاہیئے۔

انہوں نے کہا کہ "اگر برطانوی حکومت تجارتی مراعات و ترجیحات اور دیگر باتوں میں آسکتی ہے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ متحد ہوجائیں اور ہڑتال کریں تاکہ مرکزی حکومت کا قیام عمل میں نہ آسکے"

آخر میں انہوں نے کہا "ہم کانگریس اور ہندوؤں کو کسی قسم کی دھمکی دینا نہیں چاہتے لیکن اگر برطانوی حکومت نے اکھنڈ بھارت قسم کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے طے کر لیا کہ ایک آئین ساز اسمبلی ہوگی تو مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ تلوار اٹھالیں اور اس کے خلاف بغاوت کر دیں"

مدراس اسمبلی کے مسلم لیگی قائد جناب محمد اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ ہندوستان کبھی متحد نہیں رہا ہے۔ آج بھی یہاں سینکڑوں ریاستیں ہیں۔ قائداعظم کے اس اعلان کا حوالہ دیتے ہوئے کہ پاکستان کے لیے گولی کھانے والے وہ پہلے شخص ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس گولی کو پہلے دس کروڑ مسلمانوں کے سینوں سے پار ہونا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ قائداعظم کے جسم کو چھوئے۔

اسمٰعیل صاحب نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مختلف عقائد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان دونوں قوموں میں اختلافات اور تضادات کے اتنے وسیع خلیج حائل ہیں کہ ہندوستان میں یہ دو قومیں کبھی ایک نہ بن سکیں گی۔

ان کے بعد خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے یو۔پی کی بیگم اعجاز رسول صاحبہ نے کہا کہ یہ اجلاس تاریخ اسلام میں اپنی ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان انتخابات میں عورتوں نے کیا کردار ادا کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہر جگہ عورتوں اور لڑکیوں میں بڑی بیداری دکھائی دی ہے۔ وہ کسی بھی طرح اس جدوجہد میں مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتیں۔" اس وقت ہر مسلمان گھرانے کا بچہ پاکستان کے جذبات

سے سرشار ہے اگر اس قربانی میں خون دینے کی ضرورت پیش آئی تو عورتیں بھی اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کریں گی۔ وہ اب خواب غفلت سے جاگ اٹھی ہیں۔ وہ بھی اب بیقراری سے مردوں کی طرح اپنی ذمہ داریاں اور فرائض ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جناب سردار شوکت حیات خاں تالیوں کی گونج میں اٹھے اور اسٹیج پر آئے۔ "میں پاکستان کی عسکری قوم کی نمائندگی کر رہا ہوں جو محض باتوں کی دھنی نہیں ہے بلکہ عمل میں یقین رکھتی ہے" انہوں نے کہا

"اگر ان کی قوم پر کسی اور کی حکمرانی مسلط کی گئی تو وہ آخری وقت تک جنگ کریں گے خواہ انہیں موت سے ہی ہمکنار کیوں نہ ہونا پڑے۔ میں اس وقت پنجابی سپاہی کی جانب سے بول رہا ہوں میں کہتا ہوں کہ ساڑھے سات لاکھ سبکدوش فوجیوں نے پاکستان کے حصول کا عہد کیا ہے وہ لوگ دفاع کی بات کرتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ "دفاع کس طرح ہوگا جب دس کروڑ عوام غیر مطمئن ہوں گے۔ سردار صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "برطانیہ ہم سے پوچھتا ہے کہ کیا ہم اپنا دفاع کر سکتے ہیں؟" ہمارا امتحان لے لیجیے۔ ہمیں ابھی ایک موقع دیجیے جبکہ برطانیہ یہاں موجود ہے اور کانگریسی حکومت پنجاب میں راج کرتی ہے"

جناح صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے سردار شوکت حیات صاحب نے کہا "جناب آپ ہمیں روکے ہوئے ہیں ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں حکم دیں ہم اس شک کو دور کر دیں گے کہ ہم کس طرح پاکستان کا دفاع کرتے ہیں اور اس دفاع کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

بعد ازاں سر فیروز خاں نون صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا آپ نے فرمایا "کہ نہ تو انگریز اور نہ ہی ہندو اس امر کو سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے حصول کے معاملے

ہیں ہم کس قدر آگے جا سکتے ہیں ہم ایک ایلیے کی دہلیز پر ہیں۔
"دفاع کے مسئلہ کو پاکستان کے خلاف ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔
مجھے یقین ہے کہ یہ پاکستان کے دفاع کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ اکھنڈ بھارت کے دفاع کا مسئلہ ہے جس کا انہیں ڈر ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اکھنڈ بھارت میں رہیں اور پاکستان کی فوج ان کا دفاع کرے"

انہوں نے پوچھا کہ نیوزی لینڈ جس کی آبادی بیس لاکھ سے بھی کم ہے اور آسٹریلیا جس کی آبادی ستر لاکھ سے کم ہے وہ تو آزاد ہو سکتے ہیں اور اپنا دفاع کر سکتے ہیں تو پھر پاکستان اپنا دفاع کیوں نہیں کر سکتا۔ جس کی آبادی سات کروڑ سے زائد ہے، پاکستان اپنا دفاع بخوبی کر سکتا ہے ہندوستانی افواج میں جنگجو افراد کی اکثریت پنجاب سے آتی ہے لہٰذا دفاع اور حفاظت کا مسئلہ ہندوستان کے معاملے میں سامنے آتا ہے" انہوں نے کہا۔

سر فیروز خاں نون صاحب نے کہا کہ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان اقتصادی طور سے کمزور رہے گا پھر برطانیہ کا معاملہ بھی تو کچھ ایسا ہی ہے تقریباً ایک برس سے وہ بھی تو امریکہ کا دروازہ قرض کے لیے کھٹکھٹا رہا ہے؟

اگر برطانیہ امریکہ کی اقتصادی امداد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تو پھر برطانیہ اکھنڈ یو۔ ایس برطانیہ کیوں نہیں بن جاتا؟ اس اتحاد کے بجائے جو انہیں اپنے ممالک میں کرنا چاہیئے انگریز ان ساری محبتوں کا حقدار ہمیں کیوں بنا رہا ہے؟

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑتے لڑتے مر بھی گئے تو کم سے کم ہماری اولادیں اکھنڈ بھارت کی غلام نہ بن سکیں گی۔

"میں آپ کو یہ بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم پاکستان حاصل نہ کر سکے تو اکھنڈ بھارت میں بیس تیس برس بعد کوئی مسلمان اس بات تک کی جرأت نہ کر سکے گا کہ وہ اپنے بچے کا مسلمانہ نام تک رکھ سکے"

"روس نے سان فرانسسکو میں یہ اعلان کیا ہے کہ اب اور آئندہ سے ایشیا کے غلام اور استحصال شدہ عوام کی آزادی کا معاملہ ان کا اپنا ذاتی معاملہ ہوگا۔ ہمارا سامنا مسئلہ دفاع سے ہے مگر کس کے خلاف دفاع؟ اگر ہندو ہمیں آزادی دے دیتے ہیں تو وہ ہمارے دوست ہو جائیں گے۔ اگر انگریز ہمیں آزادی دے دیتے ہیں تو وہ لوگ بھی ہمارے دوست بن جائیں گے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ہمیں آزادی نہیں دیتا تو پھر روس ہمارا دوست ہے۔ میں انہیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ نئے شدید جذبات پنجاب کے بڑے زمینداروں کے دلوں میں بھی امڈ رہے ہیں۔ اشتراکیت پھیل رہی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے اگر میری ساری دولت لے لی جائے۔ مسلمانوں کی محکومی سے نجات اور آزادی کا یہی واحد راستہ ہو تو بھی میں اس کے لیے تیار ہوں"

سر فیروز خاں نون صاحب نے ملک کی معیار زندگی کے بارے میں کہا کہ پاکستان کا معیار زندگی مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہے یہ کوششیں برابر ہوتی رہی ہیں کہ مسلمانوں کو غریب بنا دیا جائے اور اکھنڈ بھارت کا مطلب ہی مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی ہے۔

آج کل اس قسم کی سازشیں ہو رہی ہیں کہ پاکستان میں مشینری نہ جا سکے۔ حکومت ہندوستان کے ایک سابق رکن کی حیثیت سے میں جانتا ہوں کہ کروڑہا روپے کی مشینری جنگ کے دوران ہندوستان میں برآمد کی گئی ہے مگر ان کا معمولی حصّہ تک پاکستان میں نہیں آنے دیا گیا ہے۔

اگر سیاسی اقتصادی اور مذہبی آزادی آپ کو حاصل نہ ہوگی تو آنے والے چالیس برسوں میں آپ کی حالت غلاموں جیسی ہو جائے گی جو اچھوتوں سے بھی کہیں زیادہ بدتر ہو جائے گی۔

ہندوؤں کی ذہنیت اور شدھی کی تحریک کا شکار ہو کر اگر آپ ان کے اس

جال میں پھنس گئے اور آپ نے اپنی سیاسی قوت کو کھو دیا تو آپ اپنے ایمان اور عقیدے جیسی زندگی سے بھی کہیں زیادہ پیاری چیز سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اگر برطانیہ ہماری آزادی کا سودا اکھنڈ بھارت کی تجارت کے بدلے میں کر دیتا ہے اور ہم پر اکھنڈ بھارت کی حکومت مسلّط کر دیتا ہے تو مسلمان اس ملک میں وہ تخریب اور انتشار پیدا کریں گے کہ اس کے سامنے ہلاکو خان اور چنگیز خاں کی تباہ کاریاں بھی شرما جائیں گی۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری برطانیہ پر ہو گی۔

سر فیروز خاں نون صاحب نے جناح صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "اگر جناح صاحب کا تعلق کسی اور ملک سے ہوتا تو وہ سارا ملک ان کی تقلید ایک سو ایک فیصد کرتا۔" انہوں نے کہا۔ "کہ یہ وہ شخص ہیں جو آج انہیں آزادی دلا سکتے ہیں۔ مگر یہ ان کے ذریعے آزادی حاصل کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔

بعد ازاں بیگم شاہ نواز صاحبہ نے ایک مؤثر اور خوبصورت تقریر کی۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح مسلمان عورتوں نے اپنے دلوں کو فولادی بنا لیا ہے۔ انہوں نے پنجاب میں ایک ماں کی مثال پیش کی جس کے بیٹے کو احرار نے موت کی نیند سلا دیا۔

انہوں نے کہا کہ جب میں اس ماں سے ملی تو اس نے کہا کہ "میں نے اپنا بیٹا قوم کی نذر کر دیا ہے" مسلمان عورتیں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہیں اور وہ بے قرار ہیں کہ ان کی آزمائش کی جائے۔

راجہ غضنفر علی خاں صاحب نے کہا کہ جس قرارداد کی ہم حمایت کر رہے ہیں وہ کسی بھی طرح نئی نہیں ہے۔ انتخابات اسی اصول اور بنیاد پر لڑے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک بھی غیر لیگی مسلمان پاکستان کے علاوہ کسی اور بنیاد پر انتخاب نہیں لڑا ہے۔ اور یہی بات انہوں نے اپنے ووٹ دینے والوں سے بھی کہی تھی۔

راجہ صاحب نے مزید کہا کہ مسلم لیگ ایک بہت بڑا جمہوری ادارہ ہے۔ کسی

بھی شخص کی قدر و قیمت اور اہمیت اس کے لباس سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے یقین اور اعتماد کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ کانگریس کی نظر میں محض لباس کی اہمیت ہے۔" اگر قائدِ اعظم لیگ کے دو آنے والے رکن نہیں رہے تو وہ لیگ کے قائد نہیں رہیں گے مگر کانگریسی امروں کا معاملہ ہی دوسرا ہے"

قرارداد میں نرم زبان اور انداز کو اپنانے کے سلسلے میں راجہ صاحب نے کہا کہ جو لوگ اپنے فرضِ منصبی کو سمجھتے ہیں۔ انہیں چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ عمل میں یقین رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ہنگامہ پسند ہوتے ہیں وہ عمل کرنا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگ زوردار زبان کا استعمال کرتے ہیں۔

بنگال کی صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری جناب ابوالہاشم صاحب نے جناح صاحب کو دنیا کا ایک عظیم ترین حقیقت پسند بتایا اور کہا کہ جب انصاف ناکام ہو جاتا ہے تو چمکیلا فولاد معاملے کو طے کیا کرتا ہے انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمان محض اپنی آزادی کے لیے یہ جنگ نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ دنیا میں مستقل امن اور سکون قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اکھنڈ بھارت کے لیے جدوجہد استحصال پسندی، محکومی اور ناانصافی کی جدوجہد ہے انہوں نے کہا کہ بنگال ہر اس اقدام کے لیے تیار ہے جو پاکستان کے حصول کے لیے کیا جائیگا۔

اس تقریر کے بعد جناح صاحب نے قرارداد کو لوگوں کی رائے کے لیے اجلاس کے سامنے پیش کیا۔ جو متفقہ فیصلے سے منظور کر لی گئی

کوئی بھی شخص جسے اس پر کوئی اعتراض ہو؟ جناح صاحب نے پوچھا۔ "کوئی نہیں" تمام لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

پاکستان کا عہد

قرارداد کو اجلاس کے سامنے منظوری کے لیے پیش کرنے اور اس کے بغیر کسی مخالفت

کے منظور ہونے کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب نے عہد نامہ پڑھا۔ عہد نامے کے پڑھے جانے کے دوران تمام اراکین اجلاس کھڑے رہے تمام اراکین نے اس عہد نامے پر دستخط کیے۔ جب عہد نامے کی خواندگی ختم ہوئی تو سب نے بڑے خلوص کے ساتھ آمین کہا اور اس کی منظوری دی۔

" خدا کے نام پر جو بڑا غفور الرحیم ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے" (قرآن مجید)

" میں کہ مسلم لیگ کی مجلس قانون ساز کا رکن اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ مسلمان جو برصغیر میں بستے ہیں۔ ان کا تحفظ، نجات، آزادی اور ان کی منزل صرف پاکستان کے حصول میں مضمر ہے۔ جو آئینی مسئلہ کا ایک منصفانہ، باعزت اور حقیقی حل ہے اور جو اس عظیم برصغیر کی مختلف قومیتوں کے لیے امن، سکون، آزادی اور خوشحالی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ میں بلا خوف تردید اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں ان تمام ہدایات پر عمل کروں گا جو کل ہند مسلم لیگ قومی نصب العین یعنی پاکستان کے حصول کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی تحریک چلائے گی۔ اور اس عقیدے اور یقین کے ساتھ کہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے جو کچھ کر رہا ہوں وہ درست کر رہا ہوں۔ میں اس امر کا بھی عہد کرتا ہوں کہ میں اس سلسلے میں کسی بھی قسم کے خطرے کا مقابلہ کروں گا۔ کسی بھی قسم کی قربانی اور آزمائش سے دریغ نہیں کروں گا۔ خدا ہمیں اس عزم میں استحکام اور ثابت قدمی عطا کرے اور ہماری مدد ان کے خلاف کرے جو اس میں یقین نہیں رکھتے آمین۔

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ جناح صاحب نے کہا کہ اس قرارداد پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسے اجلاس کے روبرو منظوری کے لیے پیش کیا قرارداد بغیر کسی اعتراض اور مخالفت کے متفقہ رائے سے تالیوں کی گونج میں منظور کر لی گئی۔

قائداعظم کا اختتامی خطاب

"ہم کس چیز کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ یہ کوئی مذہبی حکومت نہیں ہے اور نہ ہی دینی مملکت۔ مذہب اس میں ہوگا اور مذہب ہم سب کو پیارا بھی ہے۔ جب ہمارے سامنے مذہب کا معاملہ آتا ہے تو تمام دنیاوی چیزیں ہیچ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جو بڑی اہم ہیں ــــ ہماری معاشرتی زندگی اور اقتصادی زندگی۔ مگر بغیر سیاسی قوت کے آپ کس طرح اپنے عقیدے اور اپنی اقتصادی زندگی کا دفاع کر سکیں گے۔

"ہم نے بہت زیادہ غور و خوض کے بعد ایک قرارداد اور ایک اعلان اس عظیم تاریخی اجلاس میں منظور کیا ہے۔ ہمیں اس سے بہترین امیدیں وابستہ کرنی چاہیئں اور بدترین حالات کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ ایک قطعی غیر مبہم، صاف اور واضح اعلان کے ذریعے ہم نے اپنے اس پختہ عزم کا اظہار کیا ہے کہ ہم اس سلسلے میں ہر قسم کے خطرے کا مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ اس کے علاوہ ہمارے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے"

جناح صاحب نے مسلم اقلیتی صوبوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "میرا تعلق بھی ایک اقلیتی صوبے سے ہے۔ ان صوبوں کے مسلمان اس معاملے میں پہل کرنے والے ہیں اور پاکستان کے ہراول دستے کے سپاہی ہیں۔ لیکن پاکستان کے سوال کے معاملے میں اب اقلیت اور اکثریت کا معاملہ نہیں رہا ہے۔ اب یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ماسوا ان چند لوگوں کے جو آج بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

"میں ان کے جذبات کو مجروح کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے ان سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مگر اب انہیں کم از کم خاموش ہو جانا چاہیئے۔ مگر وہ خاموش نہیں ہوں گے۔ وہ لوگ وہی کچھ کرتے رہیں گے جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں۔ ان کا معاملہ تو باجے

کے اس ریکارڈ جیسا ہے جو بجتا ہی رہتا ہے" ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ مسلم ہندوستان ایک ہے اور پاکستان ہمارا مطالبہ ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ خود میرا تعلق ایک اقلیتی صوبے سے ہے۔ ہمارے سات کروڑ بھائیوں کو اپنا راج قائم کرنے دیجیے، مگر یہی سب کچھ نہیں ہے۔ اگر دنیا میں اقلیتی صوبوں کے لیے کوئی تحفظ ہے تو سب سے موثر تحفظ پاکستان کا قیام ہی ہے۔ موجودہ آئینی تحفظات ضرور فراہم کرتا ہے مگر ان کا غذی تحفظات سے کیا حاصل؟

"اگر اکھنڈ بھارت کا قیام عمل میں آگیا اور پھر انہوں نے آئین تبدیل کر دیا تو آپ کیا کریں گے؟ انہیں اس وقت کون روک سکے گا۔؟" اگر پانچ دس سال کے بعد انہوں نے علیحدہ رائے دہندگی کے حق کو ختم کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟ وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جائیں گے اور آپ کمزور سے کمزور تر اور یوں تمام تحفظات از خود ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے۔

"ہم لڑائی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔ ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ انہیں بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اگر انہوں نے اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی شروع کی تو پاکستان کبھی ایک خاموش تماشائی کی طرح یہ سب کچھ نہیں دیکھتا رہے گا۔ اگر برطانیہ گلیڈ اسٹون کے زمانے میں آرمینیا میں اقلیتوں کے تحفظ کے نام پر مداخلت کر سکتا ہے تو کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اگر ہندوستان میں اقلیتوں کو دبایا اور ستایا گیا تو ہم اس معاملے میں مداخلت کریں؟

"کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہم سے کہتے ہیں کہ جب ہم اکثریتی صوبوں تک میں اپنی وزارتیں قائم نہیں کر سکتے تو پھر پاکستان سے متعلق باتیں کرنے کا کیا فائدہ؟ میں انہیں بتاتا ہوں کہ یہی سبب ہے جس کی بنا پر ہم موجودہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس پہلو پر غور کیجیے کہ کس انداز میں وہ مسلم اقلیتی صوبوں میں اپنی وزارتیں بنا رہے ہیں اور دوسری جانب ہمارے اکثریتی صوبوں

ہیں ہماری وزارتیں بننے ہیں کس قدر رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔

"اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ یہ وزارتیں کچھ نہیں ہیں۔ یہ محض ایک تماشہ ہیں"

"ہم مسلمانوں میں ہر چیز موجود ہے۔ دماغ، ذہانت، اہلیت اور ہمت —— وہ خوبیاں جو قوموں میں ہونی چاہیئں۔ مگر ہم میں دو باتوں کی کمی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ان دو باتوں پر اپنی توجہ مبذول کریں۔ پہلی بات تو یہ کہ ہماری اقتصادی زندگی پر غیر ملکیوں اور ہندوؤں کے تسلط نے ہماری ان خوبیوں کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم اپنے مثالی اور اعلیٰ کردار کو بھول گئے ہیں اور یہ کردار کیا ہے؟ عزت نفس اور دیانت داری کا جذبہ، یقین، بددیانتی اور ذاتی مفادات کو قوم کے مفادات کے پیش نظر پس پشت ڈالنے کے لیے تیار رہنا۔

"پھر بھی ہم نے بڑے عجیب وغریب کرشمے کر دکھائے ہیں۔ ان گزشتہ پانچ برسوں میں ہمارے یہاں جو نشاۃ الثانیہ دیکھنے میں آئی ہے وہ یقیناً کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ میں جب اس سلسلے میں سوچتا ہوں تو مجھے یہ ایک خواب کی طرح لگتا ہے کہ قوم کس تیزی سے اپنے اس پرانے کردار کو پیدا کر رہی ہے ہمارے مردوں، عورتوں اور بچوں کی فکر کا انداز تبدیل ہو گیا ہے۔ ان کا قول اور عمل پہلے کے مقابلے میں آج قطعی مختلف ہو چکا ہے۔

بڑی تعداد میں خواتین کی شمولیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناح صاحب نے کہا "کوئی بھی قوم اس وقت تک کسی چیز کا حصول نہیں کر سکتی جب تک کہ مردوں کے ساتھ ان کی خواتین کا تعاون نہ ہو۔ اور وہ ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ نہ چلیں یہاں تک کہ جنگ کا میدان تک اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے"

کچھ توقف کے بعد جناح صاحب نے اپنی تقریر کا اختتام اس پر کیا "کیا برطانیہ دس کروڑ مسلمانوں کی تقدیر کا فیصلہ کر رہا ہے؟ نہیں یہ کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اس

معاملے میں روکاوٹیں ڈال سکتے ہیں وہ اس میں کسی قدر تاخیر کر سکتے ہیں۔ مگر وہ ہمیں ہماری منزل اور مقصد سے باز نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا اس تاریخی اجلاس سے پوری امید جرأت اور یقین کے ساتھ فیصلہ کر کے اٹھیئے۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی۔

ختم شد
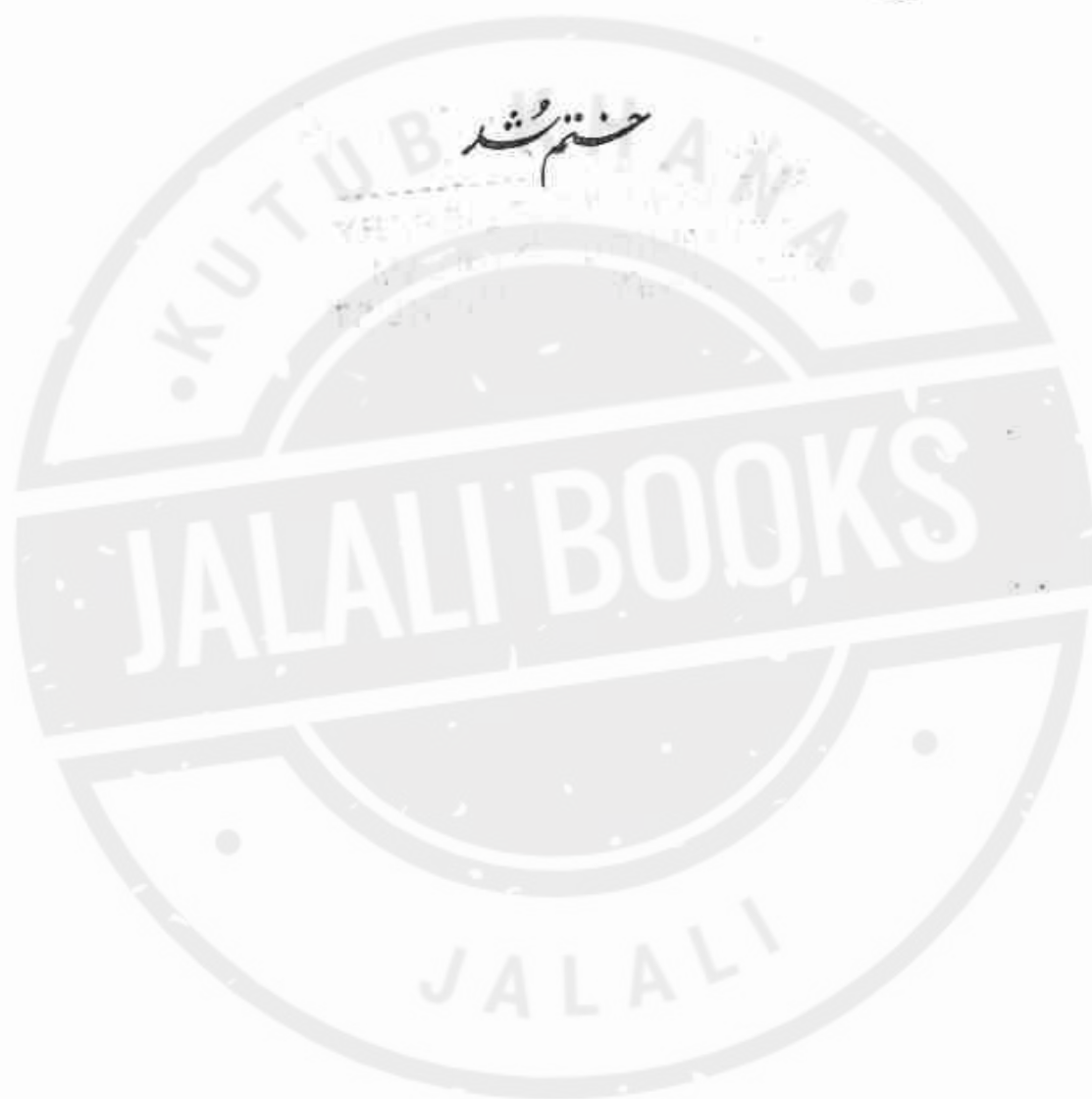
اغلاط نامہ پاکستان کی بنیادیں

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۶۹	عنوان	سلسلہ خطبات قائداعظم نمبر ۱	خطبۂ قائداعظم
۱۲۷	سطر نمبر ۱۴	جناب عبدالہاشم	جناب ابوالہاشم
۱۳۲	سطر نمبر ۵	جناب ایم رائے جناح	ایم۔اے جناح
۱۴۹	سطر نمبر ۱۸ تا ۲۱		

یہ چار سطور صفحہ ۱۴۹ پر غلط درج ہوگئی ہیں۔ ان سطور کو صفحہ ۱۴۸ پر پاکستان کا عہد کے عنوان کے بعد پیرا کے آغاز میں پڑھا جائے۔